قدرت تعالیٰ کے

طبعی اور تمدّنی قوانین

اور

ایمان و اسلام

© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اقبالؔ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقدیم

ڈاکٹر اسرار احمد

© rasailojaraid.com

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ؁

پیش نظر تحریر ایک ایسے دردمند اور مخلص مسلمان تاجر کی سالہا سال کی کاوش کا نتیجہ ہے جو نہ عالم و فاضل ہونے کا مدعی ہے، نہ ہی اپنا نام مصنفین و مؤلفین کی فہرست میں درج کرانے کا خواہشمند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنا نام منظرِ عام پر لانے کے لئے بالکل ہی تیار نہیں ——!

یہ تحریر اولاً ان کے قلم سے نکلی، پھر متعدد اصحابِ علم و فضل کی نگاہ سے گذری، جنہوں نے لفظی و معنوی دونوں طرح کی اصلاحات تجویز فرمائیں، اور بالآخر راقم الحروف کے پاس پہنچی اس درخواست کے ساتھ کہ اس پر آخری نظر ڈال کر جہاں ضروری سمجھوں مناسب تصحیح کر کے شائع کر دوں! —— اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ کام میری طبیعت سے زیادہ مناسبت نہ رکھتا تھا پھر میری شدید مصروفیت بھی اس میں مانع تھی۔ لیکن چونکہ میں اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر صاحبِ مضمون کے اخلاص کا دل سے معترف ہوں۔ لہٰذا جیسے بھی بن پڑا میں نے اس فرمائش کی تعمیل کی جس کے نتیجے کے طور پر یہ تحریر میری نظرِ ثانی کے بعد قارئینِ 'حکمتِ قرآن' کی خدمت میں پیش ہے!

© rasailojaraid.com

جہاں تک اس کے نفسِ مضمون کا تعلق ہے میری رائے میں یہ بحالتِ موجودہ ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی دو انتہاؤں کے مابین نقطۂ عدل اور راہِ اعتدال کی جانب راہنمائی کرتا ہے یعنی ایک طرف جانب اعتزال جدید کا انداز ہے کہ خوارق و معجزات کو بھی طبعی قوانین کے تحت لانے کے لئے الٹی سیدھی تاویلیں اور توجیہیں کی جائیں اور دوسری جانب ہمارے عوام کا طرزِ عمل ہے کہ گویا خوارق و معجزات ہی پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔ اور اخلاق و عمل کے میدان میں محنت و کوشش سے جی چرانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو بہانہ بنا رکھا ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

پتہ نہیں نام کیا ہے اسکا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

صاحبِ مضمون کا ارادہ ہے کہ اس تحریر کو اولاً لاکھوں کی تعداد میں طبع کرا کے پاکستان کے ہر پڑھے لکھے شہری تک مفت پہنچا دیا جائے اور پھر اگر ممکن ہو تو اِسے ہائی کلاسز کے کورس میں شامل کرا دیا جائے۔ اور اس کا اہتمام کر دیا جائے کہ طلبہ کو یہ لاگت سے بھی کم قیمت میں دستیاب ہوتی رہے ——— اور الحمدللہ کہ انہیں اللہ نے اتنی استطاعت دی ہے کہ وہ اپنے اس ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

بنا بریں اصحابِ علم و فضل سے درخواست ہے کہ اگر وہ اس میں کہیں کوئی پہلو قابلِ اصلاح پائیں۔ تو راقم الحروف کو مطلع فرما دیں تاکہ زیادہ بڑی تعداد میں اشاعت سے قبل ضروری اصلاح کی جا سکے ـ!

خاکسار

اسرار احمد عفی عنہ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ایمان و اسلام

ایمان عبرانی اور عربی زبان کا لفظ ہے۔ عبرانی زبان میں ایمان کے معنی غیر متزلزل یقین کے ہیں۔ عربی زبان میں یہ لفظ اَمن سے مشتق ہے جس کے معنی سکون، اطمینان اور امن کے ہیں۔ ایمان کے لفظی معنی کسی کو امن دینے کے ہیں، اور جب 'ب'، یا 'ل' کے حروف (PRE POSITIONS) کے ساتھ متعدی بنایا جاتا ہے تو اس کے معنی تصدیق یعنی کسی کی بات مان لینے کے ہو جاتے ہیں۔ ظہورِ اسلام کے بعد یہ لفظ اپنے محدود لغوی معنی سے اُبھر کر ایک عظیم و وسیع اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے لگا جس سے مراد اُن ماورائی حقائق کی تصدیق ہے جن کی خبر نبیوں اور پیغمبروں نے دی ہے۔ ایمان کا محل قلبِ مومن ہے۔ اطمینان قلب اور یقین محکم دل کی مخصوص کیفیت کا نام ہے جس کا اقرار تو زبان سے ہوتا ہے لیکن اس کا عملی مظہر یعنی اس کے وجود کی دلیل وہ اعمالِ حسنہ ہیں جن کو اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلام کے نظام کو اگر ایک عمارت سے تعبیر کیا جائے تو ایمان اس عمارت میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایمان نہ ہو تو اسلام کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ جس عمارت کی بنیاد کمزور ہو یا سرے سے کوئی بنیاد ہی نہ ہو اُس پر کسی بالائی منزل کا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ پائیدار اور مضبوط وہی عمارت ہوتی ہے جس کی بنیاد پائیدار اور مستحکم ہو۔ اسی طرح مضبوط ایمان کی بنیاد پر ہی اسلام کی عمارت

© rasailojaraid.com

تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس کی مزید وضاحت ہم چند مثالوں سے کرتے ہیں۔

اگر ایمان کو جڑ سے تشبیہ دی جائے تو یہ ہمارا روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ کمزور جڑ کا درخت مضبوط اور تناور نہیں ہوتا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اس کے برعکس مضبوط جڑ کا درخت تناور اور محکم ہوتا ہے جو شدید طوفان کے مقابلہ میں بھی جما رہتا ہے۔ ایسی ہی صورت آج کے دَور میں ایمان اور اسلام کی ہے۔ ہمارا ایمان کمزور ہے۔ لہٰذا اس درخت کے برگ وبار یعنی اسلامی اعمال بھی بے رُوح اور بے نتیجہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہماری بڑی کوتاہی یہ ہے کہ کمزور ایمان کو پختہ کئے بغیر اسلامی احکام کی بجاآوری کی اُمید رکھتے ہیں۔ جن اسلامی ارکان کی تعمیل میں نفسانی خواہشات کو قربان کرنا پڑتا ہے یا دنیاوی مفادات کو ترک کرنا پڑتا ہے وہاں ایمان کی کمزوری کے باعث ہم ثابت قدم نہیں رہ پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات مفاد پرستی کا ایک معمولی سا جھونکا ہمارے ایمان کو متزلزل کر ڈالتا ہے اور ہمارے اسلام کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے۔ مفادِ عاجلہ یعنی اس دنیوی زندگی کے عارضی اور ادنیٰ مفاد کے ہلکے سے طوفان کی ایک لہر ہمارے کمزور ایمان کو بہا لے جاتی ہے۔

اگر ایمان کو بیج سے تشبیہ دی جائے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ جب زمین میں بیج بویا جاتا ہے تو تمام کارخانۂ ہستی اس کے نشوونما میں لگ جاتا ہے۔ سُورج اپنی گرمی اس کے لئے وقف کر دیتا ہے، بادل بارش سے اس کو مالامال کر دیتا ہے، زمین اس کو نمو دیتی ہے، ہوا اپنا کام انجام دیتی ہے، لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں نتیجہ خیز ہوتا ہے کہ خود بیج کے اندر صحیح استعداد موجود ہو۔ ورنہ پھر یہ تمام کارخانہ بخشش اس کے لئے بیکار ہو گا۔ سُورج اپنا دہکتا ہوا تنور رکھتے ہوئے بھی اُسے گرم نہ کر سکے گا۔ بادل اگر اپنا تمام ذخیرۂ آب ختم کر ڈالے۔ جب بھی اُسے زندگی کی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

رطوبت حاصل نہ ہو سکے گی۔

پھر ایک صالح بیج زمین میں جب اپنی جگہ بنا لیتا ہے تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہے۔ اُس کے اندر آنے والی ہستی کی ساری وسعتیں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک عظیم اور تنا ور درخت کی ساری ٹہنیاں اور پتے اور اُس کے ہزاروں پھُول اور پھل اس بیج کے اندر بالقوہ موجود ہوتے ہیں۔ یہ بیج نشو ونما کے مختلف مرحلوں سے گزر کر جب زمین کی سطح چاک کر کے اُبھرتا ہے اور پھر ایک تنا ور درخت بنتا ہے تو ہم اُس کی ہستی کا اعتراف تو کرتے ہیں لیکن اِدھر خیال نہیں جاتا کہ یہ سب اُس صالح بیج کا ظہور ہے جو زمین میں بویا گیا تھا۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا پر ایمان محض ایک فلسفیانہ حقیقت کے مان لینے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس ایمان کا فطری مزاج ایک خاص قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتا ہے اور اس اخلاق کا ظہور انسان کی عملی زندگی کے تمام گوشوں میں ہونا چاہیئے۔ ایمان ایک تخم ہے جو قلبِ انسانی میں جڑ پکڑتے ہی اپنی فطرت کے مطابق عملی زندگی کے ایک پورے درخت کی تخلیق شروع کر دیتا ہے اور اس درخت کے تنے سے لے کر شاخ، پتے اور پھل میں اخلاق کا وہ جیون رس جاری و ساری ہو جاتا ہے جس کے سوتے تخم کے ریشوں سے اُبلتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دل میں بویا تو گیا ہو خدا پرستی کا بیج اور اس سے رونما ہو جاتے ایک مادہ پرستانہ زندگی کا درخت اگر ایک تاجر خدا پرست ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تجارت میں سچائی نہ ہو۔ اگر ایک جج خدا پرست ہے تو عدالت کی کرسی پر اور ایک پولیس مین خدا پرست ہے تو پولیس پوسٹ پر اس سے غیر خدا پرستانہ اخلاق ظاہر ہی نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اگر کوئی قوم خدا پرست ہے تو اس کی شہری زندگی،

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ملکی انتظام، خارجی سیاست اور اس کی صلح و جنگ میں خدا پرستانہ اخلاق کی نمود ضرور ہونی چاہیئے - ورنہ اُس کا ایمان باللہ محض ایک لفظِ بے معنیٰ ہے - اور ایک جسم ہے جس میں کوئی جان نہیں!

موجودہ ایٹمی دور میں انسان کی فکری پرواز کی کوئی انتہا نہیں رہی ہے اور اس کی ذہنی و فکری صلاحیتیں بہت اُبھر گئی ہیں - تحقیق و جستجو کا عمل زندگی کے ہر شُعبے میں کارفرما ہے - میکانیکی و ٹیکنیکی ترقی نے انسان کو ایک ایسے دَور میں داخل کر دیا ہے جہاں تحقیق و جستجو کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے - ان حالات میں مسلمانوں کے لئے بہت سے سنجیدہ مسائل پیدا ہوئے ہیں ان مسائل میں سرفہرست یہی مسئلہ ہے کہ ایمان کی حقیقت کو مؤثر و بلیغ اسلوب کے ساتھ مشاہدے کے انداز میں کس طرح پیش کیا جائے کہ ہم میں احساس زیاں پیدا ہو سکے اور ہم اپنے ایمان کا جائزہ لینے کی ہمت کر سکیں - نئی ایجادات نے عقلِ انسانی کو حیرت زدہ کر دیا ہے - نوجوان نسل کے سامنے مادّی ترقی کا ایک ایسا سحر انگیز اور پرکشش ماحول پیدا ہو گیا ہے جس میں مذہب اور دین کی باتیں فرسودہ اور بے سود سی دکھائی دینے لگی ہیں - اس ناخداشناس ماحول نے مسلمانوں کو اسلام اور اس کے تقاضوں سے دُور کر دیا ہے اور ان کے اور دینی تقاضوں کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی ہے - ان حالات کے پیشِ نظر اگر ہم نے ایمان اور اُس کے تقاضوں کو واضح اور قابل فہم انداز میں پیش نہ کیا تو مسلمانوں کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مزید محدود اور مسدود ہو کر رہ جائیں گی اور اس ترقی یافتہ دور میں بھی ہم نہ صرف یہ کہ پیچھے رہ جائیں گے بلکہ آج تو مذہب کے معاملے میں ہم کسی سے صاف اور کھلی بات کرتے ہوئے شرماتے ہیں ڈر ہے کہ کل کو ہماری آئندہ نسل آہستہ آہستہ مذہب سے کھلم کھلا سرکش اور باغی نہ ہو جائے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اس لئے ہمیں ایمان کا مطلب واضح اور متعیّن طور پر سمجھنا اور دوسروں کو بتانا ضروری ہے ۔

ایمان کا مفہوم سمجھنے کے لئے کائنات کا صحیح اندازہ ضروری ہے کیونکہ کائنات کی عظمت کے علم سے ہی ہم کو خالقِ کائنات کی عظمت کی طرف صحیح رہنمائی ملتی ہے ۔ اللہ تعالےٰ پر ایمان کا صحیح فہم ہم میں تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب ہم اللہ تعالےٰ کی ذات، اس کی عظمت اور اسکے مقرر کردہ قوانین کی پختگی سے پوری طرح واقف ہوں ۔ اسی لئے اپنی عظمت اور کبریائی کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نفس و آفاق یعنی ہمارے اپنے اندر کی دُنیا اور باہر کی ساری کائنات کے مُطالعہ پر زور دیا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآنِ کریم میں صرف آفاق کے مشاہدے کے ضمن میں کم و بیش سات سو آیات نازل ہوئی ہیں ۔ اور بے شمار نفسیاتی حقائق سے استشہاد کیا گیا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسمِ انسانی

اس کائنات میں سب سے بڑی حقیقت اور خالقِ کائنات کا شاہکار خود انسان کا اپنا وجود ہے جو اپنے جسم و جُثہ کے اعتبار سے گو چھوٹا سا ہے مگر اس کی ساخت پر غور کیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک عجیب و غریب کائنات کو اس میں سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے۔ چند اعضاء کا مجموعہ انسان درحقیقت اپنے اندر ایک عالم کو سموئے ہوئے ہے جسے انسان خود سمجھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے لیکن پوری طرح آج تک نہیں سمجھ سکا۔ آپ اس سے اندازہ لگائیے کہ ایک مکعب سنٹی میٹر میں ۲½ کروڑ حیواناتِ منویہ ہوتے ہیں اور عام حالات میں ایک اخراج میں کئی مکعب سنٹی میٹر کے بقدر مادۂ تولید خارج ہوتا ہے ان کروڑوں حیوانات منویہ میں سے صرف ایک خلیہ بیضہ دان میں نفوذ پاتا ہے جو انسان کی تخلیق کا موجب بنتا ہے۔ انسان کا جسم مکان کی اینٹوں کی طرح چھوٹے چھوٹے خلیات سے مل کر بنا ہے ایک عام اوسط درجے کے انسانی جسم میں ان خلیات کی تعداد ایک کروڑ کھرب کے قریب بتائی جاتی ہے اور عجیب تر، حیران کن بات یہ ہے کہ ایک ہی خلیے سے یہ تمام اربوں کھربوں خلیے بنے ہیں، یعنی ایک ہی اینٹ سے سارا مکان بنا ہے ایک ہی اینٹ سے چھت، دیواریں، دروازے، کھڑکیاں، فرش، کھڑکیوں کی سلاخیں۔ کس قدر حیران کن ہے ایک خلیہ سے اربوں مختلف خلیات کا وجود۔ حالیہ دریافتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی خلیے ایک فصیل بند شہر کی طرح ہیں۔ اس کی توانائی کی ضروریات پوری کرنے کیلئے بجلی گھروں کی طرح [illegible] جنریٹر کام کرتے ہیں اسکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیکٹریوں میں (پروٹین) لحمیات تیار ہوتے ہیں۔ اس تیار شدہ سامان یعنی کیمیاوی اجزاء کو جسم کے تمام حصوں میں پہنچانے کیلئے ایک مواصلاتی نظام بھی ہے خطرہ یا گزند پہنچنے پر اس کے سدباب کے لئے دفاعی اقدامات اور احکام صادر ہوتے ہیں خلیئے مختلف شکل اور جسامت اور مختلف خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں ان میں نازک خلیئے بھی ہیں جنکی لمبائی $\frac{1}{25}$ سنٹی میٹر اور چوڑائی ایک سنٹی میٹر کے لاکھویں حصے کے برابر ہے - بات صرف خلیوں پر ہی ختم نہیں ہوجاتی، خلیوں کے اندر پورا نظام حیات ہے جسے سائنس نے پچھلے ۲۵ سالوں میں ڈھونڈ نکالا ہے اور GENES یعنی جینیات کی پوری سائنس اُبھر کر سامنے آئی ہے - دادا، پردادا نانا پرنانا اور ماں باپ سے ہی جین کس طرح بچے میں آتے ہیں اور وُہ کالا یا گورا ہوتا ہے اسکی آنکھیں نیلی، یا بھوری یا سیاہ ہوتی ہیں اسکے بال کالے، بھورے یا سنہری ہوتے ہیں یہ ساری خصوصیات بچے تک اس کے کئی پشتوں کے جین لاتے ہیں - ساری خصوصیات ان ہزار ہا جین کے اندر پنہاں ہوتی ہیں جو خلیہ اپنے اندر چھپائے ہوتا ہے - اب تو بیالوجی کے ماہرین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایک خلیئے (CELL) کو لیکر اسے بیضوی یا تخمی جرثوموں میں کاشت کیا جائے تو سالمے کے مرکز یا اصل کا کھوج لگ سکتا ہے لیکن یہ قطعی طور پر ممکن نہیں کہ انسان کی طرح کے عاقل انسان کی پیدائش کے محرکات یا ماحول کے کیمیائی مرکبات تیار کر لئے جائیں -

انسانی نظام جسم یا ڈھانچہ ۳۰ تیس کروڑ کیمیائی اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے اسکی مثال یوں ہے کہ اگر آپ ان اعداد و شمار پر مشتمل اجزاء کو لفظوں میں لکھنا چاہیں تو اس سے دس ہزار ضخیم کتابوں کی ایک لائبریری بن جائے گی اور اگر اس کی تفصیل لکھنا چاہیں تو یہ بہت مشکل کام ہوگا کیونکہ انسانی عقل انسان کے میکانیکی نظام کو سمجھنے سے قاصر ہے - سائنس نے ہماری عقل و دانش اور علم کو بڑھانے میں

© rasailojaraid.com

بہت کچھ کیا ہے لیکن کیا کوئی سائنسدان اس بارے میں دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس نے انسان کی ابتداء یا اصلِ انواع کا کھوج لگالیا ہے؟ ہرگز نہیں -

اگر ہم صرف اسی مکمل نظام پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عظمتِ شان نظر آتی ہے اور اس نظام کی باریکی، پختگی کا قدرے اندازہ ہوتا ہے - خود انسان کا اپنا جسم ہی خدائے علیم و خبیر کی قدرت حکمت اور خلاقی کی روشن دلیل ہے ہم جتنا جتنا اپنے جسم کے خلیات کی ان دریافتوں پر غور و فکر کرتے ہیں اتنا ہی ہمیں اپنے خالق کی بے پایاں قدرت کا یقین مستحکم حاصل ہوتا ہے اور اسی یقین کا نام ایمان ہے -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کائنات

اس سے آگے کائنات کو دیکھئے - ایک کروڑ کھرب خلیات سے تخلیق شدہ انسان ہزاروں سال قبل اپنے گرد و پیش سے آگے کی معلومات بھی نہ رکھتا تھا وُہ دنیا اور کارخانۂ کائنات کو اتنا ہی بڑا تصوّر کرتا تھا جتنا کہ اس کو دکھائی دیتا تھا۔ ہر بلند چیز مثلاً پہاڑ، چاند سُورج یا نقصان رساں اشیاء مثلاً زلزلہ بجلی کا کڑکا سیلاب، آندھی وغیرہ سے ڈر کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا تھا - اور انہیں اپنا خدا سمجھ بیٹھتا تھا - اللہ نے مسلسل رسول بھیج کر انسان کو بتایا کہ کرّۂ ارض کی ہر شئے کو صرف تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہے ہمت کر کے آگے بڑھو اور ان کو اپنے فائدے کیلئے مسخر کر لو - دورِ جدید میں انسان نے ان اشیاء کا اتنا علم حاصل کر لیا ہے کہ وہ پہاڑ، سمندر اور ہوا کی حدود سے نکل کر خلا میں داخل ہو گیا ہے جہاں ہوا ہے نہ پانی اور کششِ ارضی بھی برائے نام - نہ صرف یہ بلکہ اب تو اس نے نظامِ شمسی کے زیادہ تر سیاروں پر کمند پھینک دی ہے اور نظامِ شمسی سے بھی آگے نکلنے کی کوشش ہو رہی ہے - جن چیزوں کو انسان پہلے سجدہ کرتا تھا۔ انہیں اب بہت معمولی سمجھنے لگا ہے ان اشیاء سے بہت بڑی بڑی چیزیں اس کو دکھائی دینے لگی ہیں کرّۂ ارض پر بکھری ہوئی اشیاء اور فضاء میں بہت سے نظر آنے والے ستارے اب اسکی نظر میں کچھ زیادہ ہیبت ناک نہیں رہے - لامحدود خلا میں وُہ ان چیزوں سے کہیں زیادہ عظیم حقائق کا سراغ پا چکا ہے اور مزید کا سراغ لگانے کے لئے سرگرداں اور رواں دواں ہے -

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جس زمین، چاند اور سورج کو ہم کل کائنات سمجھتے تھے وُہ سارا نظامِ شمسی کُل کائنات کے ایک بڑے محیط میں صرف ایک ذرّہ کے برابر نکلا۔ انسان نے جب تحقیق کی اور زمین سے آسمان تک کی وسعتوں کا مشاہدہ کیا تو خدا کی عظمت کے بے شمار نشان نظر آئے ہماری زمین جس نظامِ شمسی میں شامل ہے اسکی وسعت کا یہ حال ہے کہ ہماری زمین کا قطر تو کُل بارہ ہزار سات سو چوّن کلومیٹر ہے جب کہ جو پیٹر (JUPITER) کا قطر ایک لاکھ بیالیس ہزار سات سو چوّن کلومیٹر ہے اور زمین کے مرکز یعنی سُورج کا قطر ۱۴ لاکھ کلومیٹر ہے یعنی زمین سے ۱۰۹ گنا بڑا قطر کی یہ وسعت تو کچھ بھی نہیں جبکہ اسکے بالمقابل اگر ایک لاکھ کو ۹۵ کھرب سے ضرب دیا جائے تو اُس کے حاصل ضرب کے برابر کلومیٹر کا قطر ایک کہکشاں کا ہے جسکا عرض ۲۰ ہزار × ۹۵ کھرب کلومیٹر ہے اس کو — MILKY WAY یعنی دودھیا کہکشاں کے نام سے جانا جاتا ہے اس کہکشاں میں ہمارا نظامِ شمسی شامل ہے اس کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یعنی سو ارب ستارے پائے جاتے ہیں ہمارا پورا نظامِ شمسی اس کہکشاں کے ایک طرف پڑا ہے۔ ابتک انسانی مشاہدہ ایسی ایک سو ارب کہکشاؤں کا سراغ لگا چکا ہے اور ہر کہکشاں میں تقریبًا ایک کھرب ستارے ہیں۔

یہ تو تھا جسامت کا اندازہ، اب فاصلوں کا اندازہ کیجئے کہ زمین سُورج سے صرف ۱۵ کروڑ کلومیٹر دوَر ہے جبکہ نیپچیون (NEPTUNE) سورج سے ۴ ارب ۴۹ کروڑ ۵۰ لاکھ کلومیٹر دور ہے۔ پلیٹو کا سورج (PLUTO) سے فاصلہ پانچ ارب ۹۱ کروڑ کلومیٹر ہے یہ فاصلے اس وقت بہت معمولی رہجاتے ہیں جب ملکی وے (MILKY WAY) کا فاصلہ ۹۲ ہزار × ایک ہزار × ایک ارب کلومیٹر ہے اب تو کہکشانوں کے فاصلے جو متعیّن ہو رہے ہیں وُہ ہندسوں یا لفظوں میں بیان نہیں کیے جا سکتے۔ شاید اس بات سے کچھ اندازہ لگایا جا سکے کہ

© rasailojaraid.com

اضافیت کے حساب سے کائنات کچھ اتنی جگہ میں سمائی ہوئی ہے کہ مکعب سنٹی میٹر میں ایک کا ہندسہ لکھیں اور پھر اس کے آگے ۸۴ صفر لگائیں یا اسی پیمائش کو مکعب کلومیٹر میں لیا جائے تو ایک کے آگے ۶۹ صفر لگاتے جائیں تب حساب پورا ہو اس کے باوجود کائنات لامحدود ہے اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ۔ جسامت اور فاصلوں کے اعداد وشمار سے آپ خدائے تعالیٰ کا خیال کیجیے کہ وہ کس قدر عظیم ہے ۔ اور پھر سوچیے کہ کیا ہم خدا کو واقعتاً اتنا ہی عظیم سمجھتے ہیں؟

اب ذرا اور آگے بڑھیے اور وقت کا اندازہ لگائیے ۔ جدید زمانہ کے ریڈیائی ہیئت دانوں نے ایک کہکشانی نظام کا مشاہدہ کیا ہے اس کے متعلق اندازہ ہے کہ اس کی جو شعاعیں اس سے روانہ ہوئی ہیں وہ چار ارب نوری سال سے بھی پہلے اس سے روانہ ہو کر آج ہم تک پہنچی ہیں ۔ ستاروں کا فاصلہ ماپنے کے لئے ہمارے اعداد وشمار ناکافی ہیں اس لئے نوری سال کی اصطلاح وضع کی گئی ہے نور یعنی روشنی ایک سکینڈ میں تین لاکھ کلومیٹر سفر طے کرتی ہے اس طرح ایک سال میں اس کا سفر تقریباً ۹۵ کھرب کلومیٹر ہوا ۔ یہ فاصلہ نوری سال کا ہے اب ۴ ۔ ارب کو ۹۵ کھرب سے ضرب دیجیے تو کہکشاں کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا فاصلہ یا وقت معلوم ہو گا کہ ایک روشنی جو ایک کہکشاں سے چلی ہے وہ ہمارے کرّہ تک کتنے وقت میں پہنچی ۔ تازہ ترین مشاہدہ میں ایسی کہکشاں بھی دیکھی گئی ہے جس کی روشنی ہم تک دس ارب نوری سال میں پہنچتی ہے یعنی اس نے دس ارب ۹۵ کھرب کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا ہے ۔

مزید دیکھیے ۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کائنات میں ایک مرکز کہکشاں ہے جس کے گرد تمام ستارے چکر کاٹ رہے ہیں انکا ایک چکر بیس کروڑ سال میں پورا ہوتا ہے ۔ ... اب آپکو بہت معمولی بات معلوم ہو گی کہ ہمارے

© rasailojaraid.com

سورج کی عمر کا اندازہ پانچ ارب سال ہے جبکہ کائنات کی عمر تقریباً پندرہ ارب سال ہے۔

ہم ان اعداد و شمار سے صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ ساری کائنات جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے، وقت، حجم اور فاصلہ کے اعتبار سے کس قدر لامحدود ہے۔ لیکن خدائے تعالیٰ کی ازلی و ابدی عظمت و کبریائی کا اندازہ لگانے کے لئے وقت کے یہ سارے پیمانے، حجم کے یہ کُل اندازے اور فاصلوں کی یہ تمام پیمائشیں بالکل ناکافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ زمان و مکان کی جملہ وسعتوں سے بھی بہت بلند و برتر ہے۔ اس کی نہ کوئی ابتدا ہے۔ نہ انتہا اور جو نظم، حکمت، صناعی اور باہمی مناسبت ان اربوں کہکشاؤں اور ان کے گرد گردش کرنے والے ستاروں، سیاروں میں پائی جاتی ہے اور ہم زمین پر بیٹھے ہوئے اتنی دور دراز دنیاؤں کے مشاہدے کرتے، ان کے فاصلے ماپتے اور ان کی رفتار کے حساب لگاتے ہیں تو اس سے ہم کو خدا کی عظمت اور اس کی قدرت و حکمت کا اندازہ ہونا چاہیئے اور یہ مشاہدہ کرنا چاہیئے کہ اتنی بڑی لامحدود کائنات کی ایک ایک چیز باہمی جذب و کشش کے قانون میں کس قدر جکڑی ہوئی ہے کہ بڑے سے بڑا کرہ اپنے مدار سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہیں ہوتا اور ہر چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ قاعدے اور قانون کے تحت مکمل نظم و ضبط اور منصوبہ بندی کے تحت مصروف کار ہے۔ ہم جوں جوں اپنے مشاہدات میں آگے بڑھتے جائیں گے، ہمارا ایمان پختہ سے پختہ تر ہوتا جائیگا۔

آفاق کے اس مختصر سے خاکے کو پیش نظر رکھئے اور سوچیئے کہ وہ کونسا حساب دان ہے جو آفاق کی پہنائیوں کا پورا پورا اندازہ لگا سکے اور زمان و مکان (TIME & SPACE) کی انتہا معلوم کر سکے۔ تحقیقات اور معلومات کے میدان میں انسان جتنا آگے بڑھتا جا رہا ہے اتنا ہی زیادہ محسوس کر رہا ہے کہ ابھی وہ

© rasailojaraid.com

بہت تھوڑا جان سکا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف انداز سے بار بار انسانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ وہ کائنات کی ان تمام حقیقتوں پر غور کرے اس غور وفکر کے نتیجے میں خالق کائنات کی عظمت و قدرت کا جو احساس وادراک حاصل ہوگا اور جو کیفیت قلب پیدا ہوگی وہی صحیح ایمان کی بنیاد بنے گی۔ جو حقائق آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں وہ موجودہ دور کے چوٹی کے سائنسدانوں کے مشاہدات و تجربات کا نتیجہ ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کو غلط سمجھیں۔ ہماری گذارش یہ ہے کہ آپ ان حقائق سے سرسری طور پر نہ گذر جائیے بلکہ خدا کی عظمت و قدرت پر ایمان و یقین کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اتار لیجئے۔

جب تک ہم کو اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا صحیح اندازہ نہیں ہوگا۔ ہم اس سے اپنے تعلق کی صحیح نوعیت کو کیسے متعین کر سکتے ہیں۔ ہم اگر یہی سمجھتے رہے کہ اللہ تعالیٰ محدود اور مختصر سی کائنات کا مالک ہے۔ تو اس طرح ہم نہ اس کی بے پایاں عظمت و سطوت کا ادراک و اعتراف کر سکتے ہیں۔ نہ اسکی لامحدود رحمتوں اور عظمتوں پر ایمان لا سکتے ہیں۔ لہٰذا ایمان کا تقاضا بھی کما حقہٗ پورا نہیں کر سکتے حقیقت یہ ہے کہ ساری کائنات ایک مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق رواں دواں ہے اور ہر روز اس لامحدود لا انتہا میں گردش کرتی ہوئی آگے بڑھتی جارہی ہے اُسی طرح انسان کیلئے بھی اُس نے مقاصد اور ان کے حصول کے لئے مقررہ قوانین بنائے ہیں تاکہ ان پر چل کر اپنے مقصد تخلیق کی تکمیل کرتا ہوا زندگی بسر کرے اور قدم آگے بڑھاتا چلا جائے۔ اس اجمال پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے آئندہ سطور ملاحظہ کئے جائیں۔

© rasailojaraid.com

قانونِ فطرت

انسان کا تجربہ اور علم اس امر پر شاہد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کائنات میں جو طبعی قانون کروڑوں سال قبل مقرر کیا تھا اس میں آج بھی سرمو انحراف و تغیر نہیں ہوا ہے اور ساری کائنات میں وہ قانونِ طبعی کسی فرق و تبدیلی کے بغیر آج تک قائم و دائم ہے۔ البتہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تائید و نصرت کے لئے اللہ تعالےٰ عام مادی ضوابط کو عارضی طور پر معطل کر کے اپنی آیات کو ظاہر کرتا رہا ہے جن کو معجزات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یقیناً اللہ تعالےٰ اب بھی اس پر قادر ہے کہ اپنے کسی محبوب بندے یا پسندیدہ قوم کی نصرت و تائید کے لئے اپنے کسی طبعی قانون کو توڑ کر اپنی قدرت کی خصوصی شان کو ظاہر فرمادے لیکن خرقِ عادت کے یہ واقعات شاذ و نادر ہی وقوع میں آتے ہیں اور کوئی فرد یا قوم ان پر تکیہ کر کے لائحہ عمل نہیں بنا سکتی، اس لئے کہ اکثر و بیشتر حالات میں تو مادی و فطری خواص کا بنایا ہوا قانون ہی کارفرما ہے۔ قوانینِ فطرت کی پختگی اور پائیداری پر ایمان و یقین کے سہارے ہی انسان چاند اور مریخ کا لاکھوں کروڑوں میل کا فاصلہ کتنے یقین و اعتماد اور کامیابی کے ساتھ طے کرتا چلا جا رہا ہے اس کے برعکس اگر انسان اس تذبذب اور بے یقینی کا شکار رہتا کہ اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ طبعی قوانین میں کسی بھی آن تبدیلی واقع ہو سکتی ہے تو تسخیر کائنات کی منصوبہ بندی نہ ہوتی اور شک و تذبذب میں گرفتار انسان کوئی

© rasailojaraid.com

جرأت مندانہ قدم نہ اٹھا پاتا۔ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے طبعی قانون کے تحت کام کر رہی ہے۔ زمین چاند، سورج، ستارے، ہوا، سمندر، ہر ایک اسی کے طبعی قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی سرکشی کی مجال نہیں۔ اگر سورج کی اپنی رفتار میں سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے برابر بھی کمی بیشی ہو جاتے یا ہوا کا ایک لمحے کے لئے بھی رُخ خود بخود بدل جائے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

زوجین

© rasailojaraid.com

شب و روز ہم جن اشیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یونہی غور و خوض کئے بغیر گذر جاتے ہیں، ان ہی کے اندر حقیقت کا سراغ دینے والے نشانات موجود ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے افزائش نسل کے لئے زوجین (نر و مادہ) اور ان کے باہمی اتصال کو ایک بنیادی قانون بنایا۔ زن و مرد کے درمیان جنسی اختلاط و اتصال انسانی پیدائش کا موجب ہے حیوانات کی نسلیں بھی نر و مادہ کے جنسی اختلاط و اتصال ہی سے قائم ہیں۔ نباتات کے متعلق بھی انسان جانتا ہے کہ ان میں بھی نر و مادہ عناصر موجود ہیں اور ان کے درمیان بھی وہی اتصال کا اصول کارفرما ہے۔ حتیٰ کہ بے جان مادوں تک میں اختلاط و اتصال کا طبعی قانون نافذ ہے مختلف اشیاء جب ایک دوسرے سے ملتی ہیں تب ہی ان سے طرح طرح کے نئے مرکبات وجود میں آتے ہیں خود مادے کی بنیادی ترکیب منفی اور مثبت برقی توانائی کے ارتباط سے ہوئی ہے۔ ایٹم کے دقیق ذرّے کو جب پھاڑا گیا تو اس میں بھی منفی اور مثبت طاقت ظاہر ہوئی پس ثابت ہوا کہ ہر چیز میں زوجین کا ہونا اللہ کا اٹل قانون ہے ہر مادّہ محرک ہے اور

© rasailojaraid.com

زوجیت کا حامل و مظہر ہے ۔ احتکاک، رگڑ اور اتصالِ باہم کی بدولت یہ ساری کائنات وجود میں آئی ہے وہ حکمت وصناعی کی عجیب باریکیاں اور پیچیدگیاں اپنے اندر رکھتی ہے اور اس کے اندر ہر جوڑے کے دو افراد کے درمیان ایسی مناسبتیں پائی جاتی ہیں کہ کوئی صاحبِ عقل نہ تو اس چیز کو ایک اتفاقی حادثہ کہہ سکتا ہے نہ یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب بغیر ایک مقررہ قانون کے جاری ہیں ۔ یہی وہ حقائق ہیں کہ ان پر غور و فکر اور تجربہ و مشاہدہ سے ایمان کے چشمے قلب انسانی سے پھوٹ سکتے ہیں ۔ کاش ہم ان حقائق پر غور و فکر کریں ۔ ان حقائق پر غور اور خالقِ کائنات کی قدرت کا مشاہدہ کرکے اپنے ایمان کی پختگی کا سامان مہیا کریں!

© rasailojaraid.com

الارض!

اسی طرح اللہ نے زمین کو پیداوار کے حصول کا ذریعہ بنایا جو بے شمار مخلوقات کے لئے رزق کا ذریعہ ہے ۔ پیداوار کا انحصار زمین کی صلاحیتِ بار آوری پر ہے، لیکن اس صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لئے کتنا بڑا نظام کام کر رہا ہے یعنی پانی بارش کنوؤں، دریاؤں یا آبشاروں اور جھیلوں سے ملتا ہے سورج کی حرارت، موسموں کے تغیر و تبدل پر فضائی حرارت، برودت، ہوا کی گردش پر اور برقی رو پر اثر انداز ہوتی ہے اور بادلوں سے بارش برسانے کی محرک ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ بارش کے پانی میں ایک طرح کی کھاد بھی شامل کر دیتی ہے ذرا دیکھئے زمین سے لے کر آسمان تک ان مختلف چیزوں کے درمیان یہ ربط اور مناسبتیں قائم ہیں پھر یہ سب بے شمار اور مختلف النوع مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں اور ہزاروں لاکھوں برس سے ان کا پوری طرح ہم آہنگی کے ساتھ مسلسل جاری رہنا۔ ایسی باتیں ہیں جو ہماری اسی طرف رہنمائی

© rasailojaraid.com

کرتی ہیں کہ خدا کا ہر کام ایک قانون اور طریقہ کے مطابق قائم و جاری ہے۔

طوفانِ نوحؑ کے واقعہ سے ہم کو طبعی قوانین کی پختگی کا مزید یقین ہوتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانے میں نافرمان اور سرکش قوم کو طوفانِ آب کے ذریعہ تباہ کیا گیا کچھ نیک اور صالح بندوں کو بچانا بھی ضروری تھا اللہ تعالےٰ اگر چاہتا تو ان نیک لوگوں کو کسی معجزانہ طریقے سے بچا لیتا لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ اپنے طبعی قوانین کے خلاف کام کرنا بالعموم پسند نہیں کرتا۔ اس لئے طوفانِ نوحؑ کی آمد سے بہت پہلے حضرتِ نوحؑ کو اپنے طبعی قانون کے مطابق کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ خدا اپنے اٹل قوانین کو کس طرح قائم رکھتا ہے کہ اس نے ایک طرف سرکش و نافرمان قوم کو ہلاک کرنے کے لئے طوفان کو ذریعہ بنایا اور دوسری طرف اپنے نیک اور صالح بندوں کو بچانے کیلئے کشتی بنانے کا حکم دیا گویا دونوں کام طبعی قوانین کے تحت ہوئے۔ البتہ اتنا حصہ معجزہ یا خرقِ عادت تھا کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے سے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا کہ طوفان آئے گا اور اس سے بچنے کا تم یہ راستہ اختیار کرنا۔

مندرجہ بالا چند مثالوں سے ہمارا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ایسا قانونِ طبعی جاری کیا ہے جو سوائے شاذ اور استثنائی حالات کے کبھی نہیں بدلتا۔ بلکہ یکساں اور مُقررہ طریقہ کار پر چلتا رہتا ہے عام طور پر اللہ تعالےٰ خود بھی اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ اس پر قادر ہے کہ جب چاہے کسی طبعی قانون کو توڑ کر اپنی کسی خصوصی شان کو ظاہر فرما دے! جیسے کہ اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حق میں آگ کو گل و گلزار بنا دیا اور بنی اسرائیل کی نجات کے لئے سمندر کو پھاڑ کر راستہ بنا دیا۔ لیکن جیسے کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں ایسے واقعات شاذ و نادر ہوتے ہیں اور ان کے بھروسے پر لائحہ عمل ترتیب نہیں دیا جا سکتا۔

اب ہم انسانوں کی دُنیا کی طرف آتے ہیں کیونکہ یہی ہمارے مضمون کا اصل موضوع ہے۔

© rasailojaraid.com

قانونِ مکافات

اللہ تعالےٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اس کی حیوانی زندگی کو بھی عام حیوانات کی طرح اپنے قانون کا پابند بنا دیا۔ مثلاً حیوانات کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے اور انسان کو بھی۔ توالد و تناسل اور بقائے نسل کے جو اصول حیوانات کے لئے مصرح ہیں وہی انسانوں میں بھی کارفرما ہیں۔ حیوانوں اور انسانوں میں ایک فرق یہ ہے کہ انسانی عقل ترقی پذیر ہے اور حیوانی عقل محدود۔ دوسرے انسان کو بھلے اور بُرے کی تمیز بھی دی گئی ہے جس سے حیوان محروم ہیں اس کے ساتھ اس کو اختیار و ارادہ کی آزادی بھی دی گئی ہے جو صرف انسان کا خاصہ ہے یہاں تک کہ اللہ کی ایک بہترین مخلوق ملائکہ بھی اس شرف سے محروم ہیں اس لئے کہ وہ اپنے ارادے یا پسند سے کچھ نہیں کر سکتے بلکہ نظام کائنات میں وہ کلیتہً ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں اور اس سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے!

اللہ تعالےٰ نے انسان کو اختیار و ارادہ کا شرف عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ بذریعہ وحی اسے ان قوانین سے بھی آگاہ کر دیا ہے جو تعمیر یا تخریب کے موجب ہیں۔ اس نے واضح طور پر بتا دیا کہ کن اعمال کا نتیجہ اس کے حق میں مفید اور بہتر ہوگا اور کن اعمال کا نتیجہ اس کے حق میں خراب اور تباہ کن ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ اس امر کی بھی وضاحت کر دی کہ انسان کو اپنے لئے عمل کی راہ اختیار کرنے کی آزادی تو ہے لیکن اعمال کے نتائج تبدیل کرنے کا اختیار اسے حاصل نہیں

© rasailojaraid.com

ہے۔ اعمال کا نتیجہ بہرحال اور بہرصورت قوانین خداوندی ہی کے مطابق مرتب ہو کر رہے گا۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جسے ہم ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کیونکہ اسی پر ہمارے معاشرے کی اچھائی برائی کا انحصار ہے۔ ہر عمل کے قدرتی نتیجے کو مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ دینِ اسلام کا سارا مدار قانونِ مکافات ہی پر ہے۔

خارجی کائنات میں قوانینِ فطرت کی کارفرمائی کے متعلق نہ کسی کو کوئی شبہ ہے نہ کسی قسم کا اعتراض۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں سائنس کا سارا مدار ہی ان طبعی قوانین کی پختگی اور پائیداری پر ہے جو خدائے تعالےٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ اور جن کے متعلق ہر صاحبِ علم اعتراف کرتا ہے کہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ جس طرح خارجی کائنات میں اللہ تعالےٰ کا قانون اور حکم نافذ ہے اُسی طرح انسانوں کی معاشرتی زندگی کے لیے بھی قوانین و احکام ضروری ہیں جو بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام کو اور ان کے توسط سے نوعِ انسانی کو پہنچائے گئے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ طبعی قوانین میں ہمارے اختیار یا پسند و ناپسند کو کوئی دخل حاصل نہیں ہے جبکہ معاشرتی قوانین کو ہم اپنے ارادہ و اختیار سے قبول یا رد کر سکتے ہیں۔ تاہم اپنے نتائج کے اعتبار سے جس طرح طبعی قوانین اٹل اور غیر متبدل ہیں۔ اسی طرح معاشرتی اور تمدنی قوانین بھی غیر متبدل ہیں۔

صدق اور سچائی کا انجام خیر ہے۔ کذب بیانی و دروغ گوئی کا انجام شر ہے۔ نیز فساد، ظلم، حق تلفی وغیرہ کے نقصانات بھی یقینی ہیں۔ اور حُسنِ سلوک، صلہ رحمی، غرباء پروری، عدل گستری، عفو و درگذر اور حق رسانی وغیرہ کے فوائد بھی یقینی ہیں۔ طبعی قوانین کی طرح یہ بھی قطعاً ناقابلِ تغیر و تبدل ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ طبعی قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ اسی وقت یا جلد سامنے آ جاتا ہے۔ جیسے کشتی میں وزن زیادہ ہو جائے تو فوراً ڈوب جاتی ہے۔ سانس لینا مطلقاً

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

بند کر دیا جائے تو فوری ہلاکت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن معاشرتی قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج عموماً فوری برآمد نہیں ہوتے گویا اللہ تعالٰی نے معاشرتی اعمال اور ان کے نتائج کے درمیان کچھ فاصلہ رکھا ہے ان کا قطعی نتیجہ اکثر فوراً سامنے نہیں آتا۔ جس طرح زمین میں بیج ڈالنے کے بعد اس کی روئیدگی تو فوراً شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن پودا نظر اس وقت آتا ہے جب وہ سطح زمین سے بلند ہو جاتا ہے یہ مہلت کا وقفہ اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ انسان کے اختیار و ارادہ کی آزادی سلب نہ ہو جائے۔ نیز اُسے اعمالِ بد کی تلافی کا موقع بھی میسر آ جائے۔

اللہ تعالٰی کے طبعی قوانین کی پختگی اور پائیداری پر یقین رکھتے ہوئے یورپی اقوام کائنات کی تسخیر میں لگ گئیں۔ اور جوں جوں وہ اس کے طبعی قوانین کی تفصیلات کا علم پاتی جا رہی ہیں ان کی مہم جوئی کا میدان بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن اپنے معاشرتی قوانین کو انہوں نے خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر مرتب نہیں کیا۔ بلکہ اپنے پیش پا افتادہ اور ذاتی و قومی مفادات کے مطابق اور اپنے تغیّر پذیر تجربات کی روشنی میں اپنی عقلوں کے ذریعہ مرتب کیا ہے۔ اس میں کسی آسمانی ہدایت کی پابندی نہیں کی۔ انسانی عقل کوتاہ اور محدود ہے اور نہ وہ تمام انسانوں کے درمیان حقیقی مساوات کا نظام مرتب کر سکتی ہے نہ انسانوں کے مختلف طبقوں اور گروہوں کی جملہ مصلحتوں کو یک وقت مدّ نظر رکھ سکتی ہے۔ انسان کے اپنے جذبات و مفادات قدم قدم پر آڑے آتے ہیں، اور عادلانہ مساوات کے نظام سے اسے ہٹا دیتے ہیں اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ تسخیر کائنات سے انہوں نے جو لاتعداد فوائد یا بیشمار سہولتیں اور سامان راحت حاصل کئے، وہ اللہ تعالٰی کے بتائے ہوئے قوانین معاشرت سے روگردانی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اور بے ہاری کی وجہ سے زمین میں فساد اور تباہی کا باعث بن گئے' دوسری طرف ہم میں جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن کائنات کی تحقیق و تسخیر سے کنارہ کش ہو چکے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے بنائے ہوئے معاشرتی قوانین کے بارے میں بھی تذبذب کا شکار ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بُرے عمل کا نتیجہ اچھا بھی نکل سکتا ہے حالانکہ کسی عمل کے دو متضاد نتائج مترتب نہیں ہو سکتے بُرے اعمال کے نتائج بُرے ہی ہوتے ہیں اور صرف اچھے اعمال کے نتائج ہی اچھے نکل سکتے ہیں۔ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ اُسی قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کیا ہے۔ اسی کو خدا کے نظام عدل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور خدا کا یہ نظام بھی غیر متبدل اور اٹل ہے۔

لیکن یقیناً خدا عادل ہونے کے ساتھ ساتھ رحیم بھی ہے۔ بظاہر احوال عدل اور رحم دو متضاد تصورات ہیں لیکن خدا کے رحم اور عدل میں ہرگز کوئی تضاد نہیں ہے اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک آدمی آگ میں انگلی ڈالتا ہے۔ انگلی جل جاتی ہے۔ یہ خدا کے قانونِ طبعی کے تحت ہوتا ہے جو کلیتہً عدل پر مبنی ہے لیکن اُسی خدا نے ایسی چیزیں بھی پیدا فرمائی ہیں جن سے انسان نے ایسی دوائیاں تیار کی ہیں جن کے استعمال سے جلی ہوئی انگلی ٹھیک ہو جاتی ہے یہ خدا کی رحمت یا اس کا رحم ہے۔ آپ نے دیکھا کہ تدبیر کائنات میں خدا کا عدل اور رحم دونوں بیک وقت کارفرما ہیں۔ البتہ خدا کی رحمت کو دعوت دینے کا بھی ایک معین قانون ہے جسے توبہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ توبہ کا اصل مفہوم بھی ایک مثال سے سمجھئے۔ آپ نے کسی خاص مقام پر جانا ہے لیکن کسی دوراہے پر آپ غلط رُخ پر مڑ گئے۔ لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ غلط راستے پر جا رہے ہیں تو پھر آپ اس دوراہے پر واپس آئیں گے اور

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

وہاں سے صحیح راستہ کی طرف دوبارہ چلنا شروع کریں گے۔ غلط راستے سے واپس آنے کو توبہ کہا جاتا ہے اور پھر صحیح راستے پر گامزن ہونے کو عمل صالح سے تعبیر کیا جاتا ہے اس طرح انسانی لغزش سے پیدا ہونے والے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے۔ انسانی زندگی میں اس طرح بازآفرینی کے لئے خدا کے قوانین مقرر ہیں اور ان ہی پر عمل پیرا ہو کر خدا کے رحم کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ بُرے اعمال کے تخریبی نتائج کے ازالے کی صورت یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اچھے کام کئے جائیں۔ برائیوں کے نتائج کو بھلائیوں سے دور کر دیا جائے تب ہی ہوتا خدا کے رحم کا ظہور۔ اس کے لئے برائیوں کا چھوڑنا ہر صورت میں لازم ہے۔

ذرا غور فرمایئے کہ جب خدا نے فرما دیا کہ فلاں بُرے عمل کا نتیجہ بُرا نکلے گا اور ہم پھر بھی یہ امید باندھے رہے کہ خدا کے فضل و کرم سے وہ نتیجہ بدل سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے خدا کی بات پر اعتماد نہیں کیا۔ ایسی صورت میں ایمان کہاں رہا؟ بے شک اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس کی مغفرت و رحمت کو بہانہ بنا کر بُرے عمل کرتے رہیں۔ بدمعاملگی اور فریب دہی بھی کرتے رہیں۔ لین دین میں جھوٹ بھی بولتے رہیں حقیقت میں یہ سوچنا ہی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے کہ ہم غلط عمل بھی کرتے رہیں اور توبہ و تلافی کے بغیر اللہ تعالےٰ سے معافی کی اُمید بھی رکھتے رہیں۔ غلط عمل کے بعد توبہ یعنی ان کو ترک کرنا اور آئندہ نہ کرنے کا عزم ایمان کا لازمی تقاضا اور اللہ کے عدل اور رحم کے مابین حسین توازن و امتزاج کا مظہر ہے!

لیکن بُرے اعمال کے ارتکاب کے بعد نہ توبہ کی جائے نہ عمل صالح سے تلافی کی جائے تو ایسی صورت میں اعمال کے نتائج وہی ظاہر ہوں گے جو

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

خالق کائنات نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں - ہم کو اسی پر ایمان لانے کا حکم فرمایا گیا ہے - ہم اپنے غلط نظریے اور رویئے کی وجہ سے ایک طرف تو کائنات کی ان بیش بہا نعمتوں سے محروم ہیں جو تسخیر کائنات کے ذریعے مغربی اقوام نے حاصل کر لی ہیں اور دوسری جانب ایک متوازن و خوشگوار معاشرہ کی نعمتوں سے اس لئے محروم ہیں کہ ہم نے خدا کے عطا کردہ احکام کو بھی اپنے من گھڑت خیالات اور عقائد کے زیر اثر عملاً ترک کر رکھا ہے اور معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی اور کن کن نعمتوں اور اُخروی انعامات سے بھی محروم رہیں گے - اس لئے کہ آخرت کے لئے کھیتی تو یہ دنیا ہی ہے - یہیں اگر نہ بویا تو وہاں کیا کاٹیں گے !

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا اور بندے کا باہمی تعلق

طبعی قوانین جو انسان سمیت پوری کائنات میں رائج و نافذ ہیں اور معاشرتی قوانین جو اللہ تعالےٰ نے انسانوں کے لئے بنائے ہیں دونوں کی محکمیت اور پختگی اور نتائج کے اعتبار سے اٹل اور قطعی اور یقینی ہونے پر یقین لانے کے بعد اب آگے چلیے!

یہ امر خصوصی طور پر قابل توجہ ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ تمام جانداروں کی رزق رسانی ہمارے ذمے ہے اور دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کروڑوں حشرات الارض اور غیر انسانی جانیں روزانہ ضائع ہو جاتی ہیں اور قحط میں لاکھوں انسان بھی بھوکے مر جاتے ہیں۔ اب کیا ہم یہ سمجھیں کہ اللہ تعالےٰ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ سب کا رزق اس کے ذمہ ہے؟ نہیں ہمارا یہ سوچنا کم فہمی اور کم علمی پر مبنی ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے زمین میں ہر ذی روح کے لئے سامان رزق کی صلاحیت ودیعت کر دی ہے۔ زمین کی ان صلاحیتوں سے کام لینا ہمارا کام ہے۔ ہم کام ہی نہ لیں تو یہ ہمارا قصور ہے۔ بات یہ ہے کہ جو وسائل رزق کرۂ ارض پر پھیلے ہوتے ہیں اور جو تمام نوع انسانی کے لئے قدرت الٰہیہ نے رکھے ہیں وہ غلط تقسیم گروہی اجارہ داری، قوموں کی تنگ نظری و خود غرضی اور غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے ناکافی نظر آتے ہیں۔ ورنہ وہ نوع انسانی کے لئے بالکل کافی ہیں۔

© rasailojaraid.co

سر... ان کی تقسیم کا نظام غیر منصفانہ ہے یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اُسے منصفانہ تقسیم کر کے نوع انسانی کو فلاح و بہبود سے ہمکنار کریں -

دوسرے حوادث ارضی و سماوی کے اسباب وعلل کی تحلیل ابھی انسان ابھی تمام ذہنی و فکری ترقی کے باوجود نہیں کر سکا ہے - جب ان اسباب وعلل کا انسان کو پوری طرح علم ہو جائے گا تو وہ سیلاب خشک سالی قحط اور آفات پر بھی پوری طرح کنٹرول کر سکے گا - تاہم اس وقت بھی اس راہ میں بہت پیش قدمی ہو چکی ہے - سیلاب کے لئے دریاؤں کے پشتے بنائے جا رہے ہیں - بارش ... کے لئے ٹیوب ویل اور بڑے بڑے بند اور پانی کی وافر مقدار کو محفوظ کرنے کا انتظام کیا جاتا ہے ان تمام ذرائع سے پیداوار کو بڑھایا جا رہا ہے - ... انڈے کی زیادہ سے زیادہ پیداوار کا طریقہ نکالا جا رہا ہے - دریاؤں اور سمندروں کی تہہ میں جو سامان رزق قدرت نے نوع انسانی کے لئے رکھ دیا ہے - اس کی طرف بھی پوری توجہ نہیں ہوئی ہے -

پوری کائنات میں غور و فکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے نظام عالم میں انسان کو مرکزی حیثیت دی ہے اور اس نے نوع انسان کو عقل و حکمت عطا کر کے اُسے اختیار و ارادہ دیا ہے کہ وہ ساری کائنات میں پھیلے ہوئے اسباب رزق کو اختیار کر لے اور اُسے عادلانہ طریق پر تمام اقوام عالم میں تقسیم کرے - اگر تمام قوموں کی مجموعی عقل و حکمت اور ہنرمندی و تدبیر کو استعمال کیا جائے تو رزق کی کمی دنیا کے کسی خطّہ میں محسوس نہیں ہوگی - کیونکہ ایک کم پیداوار کا علاقہ دوسرے شاداب و سرسبز علاقہ سے رزق حاصل کر سکتا ہے بلکہ دنیا کی تمام نعمتیں جنکو شمار نہیں کیا جا سکتا ان کی عادلانہ تقسیم کے بعد کسی قوم کا محروم رہنا ناممکن ہے مگر شرط یہ ہے کہ لوگوں کے دل

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

خود غرضی تعصب اور رنگ و نسل پر مبنی برتری اور تفوق و تکبر سے پاک ہوں۔

گویا خدا ہر جاندار اور یہ انسان کے منہ میں خود لقمہ نہیں ڈالتا بلکہ اس نے سب کی کامل کفالت کا سامان پیدا فرما دیا ہے چنانچہ زمین سورج ہوا پانی بیج وغیرہ سب اللہ نے پیدا کر دیے لیکن کاشت کر کے غلہ پیدا کرنا اسے پیس کر آٹا بنانا گوندھنا اور روٹی پکا کر کھانا بھی انسان کا کام ہے۔ وسائل و وسائلِ رزق کی منصفانہ تقسیم بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔

اللہ اور اس کی مخلوق کے باہمی تعلق کو ہم حضرت عمر فاروق کے اس قول سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ "میں نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھوک سے مر جائے" یا پھر بڑھیا کے اس قول سے کہ "عمر خلافت کے قابل نہیں اگر اسے میری حالت کا علم نہیں"۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ذاتی طور پر ہر شخص سے واسطہ ہو یا وہ ہر شخص کو اپنے ہاتھ سے خوراک فراہم کریں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایسا نظام قائم ہو جس میں کسی کی حاجت یا جائز ضرورت رکی نہ رہے۔ ہر ایک کو اس عادلانہ نظام کا مساوی و منصفانہ فائدہ پہنچے۔ کسی پر ظلم نہ ہو۔ کوئی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔

خدا منبع شر نہیں

ذرا اور آگے چلیئے۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی شر نہیں سب خیر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم روزمرہ اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ چوری چکاری، ڈکیتی، ظلم اور برائی ہوتی چلی آ رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں ہر طرف شر ہی شر پھیلا ہوا نظر آتا ہے ذرا سوچئے کہ

© rasailojaraid.com

یہ کتنی غلط بات ہوگی اگر ہم یہ کہہ دیں کہ انسان سے یہ تمام تخریبی کام اللہ خود کراتا ہے کیونکہ کہ اس کے حکم کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا اوّل تو خیر و شر دو مثبت چیزیں ہی نہیں ہیں نہ ان کا الگ الگ اپنا وجود ہے روشنی نہ ہونے کا نام تاریکی ہے۔ ظلم نام ہے عدل نہ ہونے کا۔ اسی طرح شر بھی صرف خیر نہ ہونے کا نام ہے۔ اللہ نے ہمیں خیر کا حکم دیا ہے۔ لیکن ہمیں خیر پر مجبور نہیں کیا۔ جب ہم اپنے ارادے کی آزادی کا غلط استعمال کرتے ہوئے خیر کے اہتمام میں کوتاہی کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں شر پیدا ہو جاتا ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ بھلائی چاہنے والا خدا انسان کو شر اور برائی پر مجبور کرے۔

© rasailojaraid.com

بات یہ ہے کہ عالم میں اسباب و علل اور ان کے نتائج و عواقب کا جال بچھا ہوا ہے کائنات میں خلق و امر کا عمل مسلسل جاری ہے۔ کائنات میں روحِ حیات خالقِ کائنات ہی کی پھونکی ہوئی ہے تا یہ ہے کہ یہ سب کچھ خدا کا پیدا کردہ ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے امور کی حرکت و سکون یا خیر و شر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ یعنی خیر و شر اور حرکت و سکون جنہیں ہم الگ الگ چیزیں سمجھ لیتے ہیں، وہ الگ الگ نہیں ہیں۔ حرکت نہ ہونے کا نام سکون اور خیر نہ ہونے کا نام شر ہے۔ اور دونوں کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔ لیکن استعمال کرنے والے ہم ہیں۔ یہ ہمیں اختیار ہے کہ ہم خیر کی طرف جائیں یا خیر کی طرف نہ جائیں اور اس طرح شر کو اختیار کریں۔ دنیا میں جو شر نظر آتا ہے وہ خود انسان کے اپنے غلط اختیار کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔

تلوار کاٹتی ہے آگ جلاتی ہے پانی میں روانی ہے یہ سب خیر ہی خیر ہے۔

لیکن اگر تلوار سے کوئی ظالم کسی کو ناحق قتل کرتا ہے اور کوئی بے رحم آگ سے لوگوں کے گھروں کو جلاتا ہے یا کوئی پانی میں اپنی غلطی سے ڈوب جاتا ہے تو

© rasailojaraid.com

تلوار کی کاٹ میں یا آگ کے جلانے یا پانی کے ڈبونے کی صفت میں کوئی شر نہیں تھا۔ بلکہ انسان کے اپنے غلط استعمال نے شر پیدا کیا ہے۔ لہٰذا دنیا میں تمام شر صرف آزادیٔ عمل کے غلط استعمال سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بظاہر ایک اہم استثناء وہ آفاتِ ارضی و سماوی ہیں جن پر بظاہر احوال انسان کو قدرت حاصل نہیں لیکن ان میں سے بھی اکثر و بیشتر کا تعلق قوموں اور نسلوں کے اجتماعی طرزِ عمل کی غلطی سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد کہ سب کچھ اسی کے حکم سے ہوتا ہے اس سے مراد اللہ کا وہ قانون ہے جو پوری کائنات اور انسانوں کی دنیا میں جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہر عمل اور اس کا ایک نتیجہ متعین کر رکھا ہے۔ انسان کو ارادہ و عمل کی آزادی دی ہے لیکن کسی عمل کا نتیجہ انسان اپنی مرضی سے مرتب نہیں کر سکتا۔ اعمال کے نتائج صرف وہی مرتب ہوں گے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے متعین ہیں الّا یہ کہ کسی عمل کے نتیجے کو خدا خرقِ عادت کے طور پر خصوصی اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے ظہور پذیر ہونے سے روک دے۔ اور یہ جیسا کہ پہلے بار بار عرض کیا جا چکا ہے شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ یہی اللہ تعالےٰ کی قدرت اور اختیار کے معنی ہیں کہ نہ تو اعمال کے نتائج مرتب ہونے میں انسان کو کوئی اختیار ہے نہ نتائج کو بدلنے کی اس میں کوئی قدرت ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے اور شریعتِ الٰہیہ نہ صرف مہمل ہو کر رہ جائے بلکہ بے معنی نظر آنے لگے۔ لہٰذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ نتائجِ اعمال کو انسان کی دسترس سے باہر رہنا چاہیئے۔

انسان اپنے مختلف رشتوں ناطوں کی بنا پر دوسرے انسانوں سے مختلف نوعیت کے تعلقات قائم کرتا ہے وہ محبت اور نفرت کا تعلق بالعموم حق و باطل

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کی بنیاد پر قائم نہیں کرتا بلکہ اپنی شہوات خواہشات یا نسب و برادری کی بنیاد پر کرتا ہے اور اپنی نادانی میں اسی طرح کا معاملہ وہ اللہ کا بھی سمجھتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا تعلق نوعِ انسانی سے عدل و انصاف کی بنیاد پر قائم ہے اس کا کسی قبیلے یا کسی فرد سے رشتے ناطے کا تعلق نہیں ہے۔ اس کا تعلق اس کے قوانینِ طبعی و اخلاقی کے مطابق ہے اس دنیا میں وہ سب سے عادلانہ سلوک کرتا ہے اسے کسی انسان سے اس کی ذاتی حیثیت میں نہ محبت ہے نہ نفرت۔ اسے تو صرف خیر و نیکی سے محبت ہے اور صرف شر اور بدی سے نفرت، جس انسان میں جتنی خیر و نیکی اور قانونِ خداوندی سے ہم آہنگی ہوگی اتنا ہی وہ اچھا ہے اور جس میں جتنا شر بدی اور قانونِ خداوندی سے سرکشی ہے اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برا ہے۔

آج اقوامِ مغرب سربلند اور خوش حال ہیں تو اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگیوں کو قدرت کے کم از کم طبعی قوانین سے ہم آہنگ کر لیا ہے اور مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں پیچھے ہیں تو اس لئے کہ ہم نے اپنی زندگی کو قدرت کے نہ اخلاقی اور معاشرتی قوانین سے ہم آہنگ کیا نہ طبعی سے۔ بلکہ ہم نے طبعی قوانین کی خلاف ورزی ہی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ اقوامِ مغرب سے خدا کو کچھ محبت نہیں ہے اور مسلمانوں سے کوئی عداوت نہیں ہے یہ تو اپنا اپنا عمل ہے اور اسی کے مطابق ہر ایک کا نتیجۂ عمل ہے۔

اللہ اور بندے کا تعلق اتنا ہی ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے ایسا مزاجِ عالم بنایا ہے کہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کے مطابق عمل کرے تو اس کے لئے کشادگی، خوش حالی، سکون، اطمینان ہے اور اگر اس کے قائم کردہ مزاجِ عالم کے خلاف کیا جائے تو اسبابِ عیش کی فراوانی، نت نئی

© rasailojaraid.com

ایجادات اور سامانِ راحت کی کثرت کے باوجود، خون خرابہ فساد بدامنی، بے اطمینانی، گھٹن اور خوف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آج پوری پوری آبادیاں ویران ہو رہی ہیں اور خوف و ہراس کا بادل چھایا ہوا ہے یہ نتیجہ ہے احکام خداوندی کے خلاف اقوامِ عالم کے عمومی کردار کا ۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک قانون مقرر کر دیا ہے اور نتیجہ اس کے مطابق ہی مرتب ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا کیا کام باقی رہ جاتا ہے اس طرح تو وہ خود معطل اور کائنات کا سارا نظام میکانیکی ہو کر رہ جاتا ہے اس شبہے [illegible] مضمون سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عظیم اور وسیع نظام کا مالک ہے جو اس کے حکم پر چل رہا ہے وہ اس عظیم کائنات کا قیوم، نگران، کارساز اور مدبر و منتظم بھی ہے اور اپنی اس تخلیق میں مسلسل اضافہ بھی فرما رہا ہے۔ انسانوں کی دنیا تو بڑی مختصر اور چھوٹی سی ہے اور انتہائی معمولی سی شے ہے۔

دوسرے کیا اللہ تعالیٰ اُسی وقت کام کرتا معلوم ہو جب وہ ہر آن اپنے ہی مقرر کردہ قوانین کو الٹ پلٹ کرتا رہے اور جب جیسے جی میں آئے احکام صادر فرماتا رہے؟ اس صورت میں آپ کا یقین کس بنیاد پر قائم ہوگا؟ اگر اعمال کے نتائج بغیر کسی مقرر کردہ طریقے کے مرتب ہوں تو اعتماد اور یقین کی اساس ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ آپ یقین رکھیں کہ ہر عمل کا وہی مقررہ نتیجہ مرتب ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو خود بتا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس [illegible] کے نتیجے ہر وقت نگران اور سرگرم ہے اور اس کام کی وجہ سے اس [illegible] ہوتی ہے نہ کوئی دشواری کیونکہ اس کا کام تو قانون بنا دینا ہے جبکہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے مطابق مصروف

© rasailojaraid.com

عمل ہوتا ہے۔ اور اسباب و علل کے قوانین کے مطابق عمل کی کڑیاں ایک
دوسرے سے ملتی چلی جاتی ہیں۔ ہم یہ کیوں تصور کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر
ازل، بلکہ اعمال کے فیصلے کرے تب تو وہ کچھ کام کر رہا ہے اور مصروف عمل
ہے لیکن اگر وہ خود اپنے پہلے سے مقرر کردہ قوانین کے مطابق حکم صادر فرمائے
تو وہ کچھ نہیں کرتا اور معطل ہے۔ کام تو دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔
خواہ نتیجہ مقررہ قوانین کے خلاف پیدا کیا جائے یا متعین طریق کار کے مطابق
مزید برآں ہم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ خدا نے جو کچھ پیدا کرنا تھا وہ پیدا کر چکا اور
اب عمل تخلیق سے فارغ ہو چکا ہے حالانکہ وہ نت نئی چیزیں پیدا کرتا چلا جا
رہا ہے اور ہر دن ایک نئے کام میں مشغول اور نئی شان میں جلوہ گر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوّلین دَور کا اِسلام

ایمان لانے کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اوّلین دَور کو دیکھنا ہوگا۔ ایمان لانے کی جو دعوت آغازِ اسلام میں دی گئی وہ پوری حیاتِ انسانی میں ایک عظیم انقلاب لانے کی دعوت تھی اور جو لوگ ایمان لائے ان کی زندگی میں عظیم تغیر پیدا ہوگیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ایمان لانے کے بعد زندگی کے قالب کو مکمل طور پر بدلنا ہوگا۔ دینِ اسلام کو قبول کرنے والے ایسے مضبوط یقین کے حامل لوگ تھے کہ ایک مرتبہ ایمان لے آئے تو ہر طرح کی تکالیف اور اذیتیں برداشت کرتے رہے لیکن ایمان پر مضبوطی سے قائم رہے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا نام ان میں نمایاں ہے۔ اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو پوری طرح جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور امین ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے ان کا دامنِ کردار ہر طرح بے داغ ہے مگر وہ اس لئے شدید مخالف ہوگئے کہ ایمان لانے کے بعد ان کو اپنا معاشی اور معاشرتی ڈھانچہ یکسر بدلنا پڑتا تھا جس کے لئے وہ ہرگز تیار نہ تھے۔ چنانچہ وہ نہ صرف مخالف ہوگئے بلکہ انہوں نے ان لوگوں کو تکلیفیں بھی پہنچائیں جو ایمان لے آئے تھے ایسے مخالف افراد میں نمایاں نام ابوجہل کا آتا ہے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو قرابت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے آپ کی حمایت بھی کرتے تھے آپ کو سچا اور امین بھی مانتے تھے لیکن آبائی مذہب کو ترک کرنے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

تک چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب ان میں نمایاں تھے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کو آسانی سے قبول نہیں کیا جا سکتا اور اگر قبول کر لیا جائے تو پھر چھوڑا نہیں جا سکتا - عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا مقصد خوب سمجھتے تھے وہ نہ صرف یہ جانتے تھے کہ الوہیت خداوندی سے مراد حاکمیت اعلیٰ ہے اور یہ ہر اقتدار کے خلاف ایک کھلا چیلنج ہے حتیٰ کہ اپنی ذات اور نفس کے خلاف بھی - اگر وہ خدا کے احکام و قوانین کے مقابلے میں من مانی کرنے پر تُلا ہوا ہو -

© rasailojaraid.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ایمان کی دعوت دی تھی وہ ایک کامل ضابطہ حیات کی اساس و بنیاد تھا - اسی شاہ کلید سے زندگی کے تمام قفل کھلتے گئے - ایمان لانے کے بعد زندگی میں تغیر آنا ناگزیر تھا - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں یکسر بدل گئیں جھوٹ سے نفرت، سچائی سے محبت دیانتداری، اخلاص عمل، خیر خواہی، صاف گوئی، حق شناسی، شہادتِ حق، راست بازی، طہارت ظاہری و باطنی، یہ تمام کے تمام اوصاف ان کے مزاج کا جزو بن گئے - لہذا ایک مومن کے ذہن میں یہ نہیں آسکتا کہ وہ جھوٹ بولے یا فریب دے یا خیانت کا ارتکاب کرے - کیونکہ یہ تمام باتیں ایمان کے منافی اور ضد ہیں - ایماندار کسی کا حق نہیں مار سکتا - اپنا وقت، اپنا پیشہ، اپنی توانائی، اپنی صلاحیتیں دوسروں کے لئے صرف کرکے مسرور و شاداں ہوتا ہے وہ ایثار کو اس طرح اپناتا ہے کہ اپنی ضرورتوں کے مقابلہ میں دوسروں کی ضرورتوں کو ترجیح دیتا ہے وہ قول کا سچا وعدے کا پکا ہوتا ہے - وہ تمام معاملات میں کھرا اور صاف ستھرا ہوتا ہے اسکی معاشی زندگی پاکیزگی، سچائی کا کامل نمونہ ہوتی ہے یہ تمام اخلاق حسنہ اور

© rasailojaraid.com

اور اوصاف حمیدہ اس کے ایمان کا لازمی مظہر ہوتے ہیں۔ ایمان لاتے ہی اس کی زندگی کا رنگ بدل جاتا ہے چنانچہ آغاز اسلام کی تاریخ میں ہم جہاں عربوں کو اسلام کے خلاف نبرد آزما پاتے ہیں، وہاں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اسلام لاتے ہی اس کے علم بردار پرجوش داعی اور مبلغ بن جاتے ہیں اور پھر وہ اسلام کی راہ میں تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہر آن تیار نظر آتے ہیں یہ عظیم تغیر اسلام میں داخل ہوتے ہی ان میں پیدا ہو جاتا تھا۔

ایمان سے ذہنی انقلاب

© rasailojaraid.co

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا ہے ایمان لاتے ہی مومن کی زندگی میں انقلاب عظیم آجاتا ہے اس لئے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ایمان لانے کے بعد افراد کی زندگی میں تغیر آہستہ آہستہ آتا اور زندگی پہلی نہج پر قائم رہتی ہے ایمان افراد کے دلوں میں اپنا گھر کرکے ذہنی انقلاب پیدا کرتا ہے اور ذاتی زندگی کے تمام شعبوں خصوصاً معاشی زندگی یعنی آمد و خرچ کے شعبوں میں عمل دخل شروع کر دیتا ہے۔ البتہ پوری سوسائٹی اور معاشرے میں یہ انقلاب رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے اس معاشرتی انقلاب کے لئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک عرصہ کے بعد ہی معاشرہ صلاح پذیر ہوتا ہے چونکہ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اس لئے جس قدر افراد صالح نیک اور اچھے ہوتے جائیں گے، معاشرہ بھی اسی قدر صالح ہوتا جائیگا۔ اگر افراد کی اکثریت میں ضعفِ ایمان ہوگا تو اس کا ظہور بد دیانتی، خیانت، رشوت ستانی، کذب بیانی، فریب دہی جیسے اخلاقی امراض کی صورت میں

© rasailojaraid.co

ہوگا اور وہ معاشرہ بھی بدترین ہوگا کیونکہ معاشرہ افراد ہی سے بنتا ہے اور معاشرے کی خوبی یا برائی درحقیقت افراد کی اکثریت کا پرتو ہوتی ہے۔

آزمائش!

اوّلین افراد جو دین کی دعوت قبول کریں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایمان لانے اور نئے ضابطہ حیات کو اختیار کرنے والوں کو لازمی طور پر آزمائش سے گذرنا پڑتا ہے چنانچہ عہد نبوّت کی پوری تاریخ شدید ترین مصائب و آلام سے بھری پڑی ہے جن سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوچار ہوئے۔ معاشی تنگی اور مختلف قسم کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ قدم قدم پر صبر و ضبط کا امتحان لیا گیا۔ زندگی کی نئی راہ اختیار کرنی پڑی۔ نظام حیات کا رُخ بدلنا پڑا۔ ظاہر ہے یہ کوئی معمولی کام نہ تھا۔ معاشرہ افراد سے بنتا ہے۔ لہٰذا معاشرے کے قالب کو بدلنے میں ایک عرصہ لگتا ہے۔ مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب تک ذاتی زندگی میں تغیر نہیں ہوتا معاشرہ دُرست نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ مثالی معاشرہ کی تشکیل کیلئے وقت اور عرصہ درکار ہوتا ہے لیکن افراد کی زندگی میں خوشگوار اور صالح تبدیلی ایمان لانے کے فوراً بعد ضروری ہے۔

ہمارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہے آپ کو ہجرت کرنی پڑی۔ غزوات میں شریک ہونا پڑا۔ خندق کھودنی پڑی۔ مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اس کے بعد خلیفہ اوّل کی زندگی ہے۔ عام آدمی کو جس قسم کا کھانا میسر ہوتا تھا اس سے بھی سادہ کھانا وہ استعمال کرتے تھے۔ گھر والوں نے روزانہ کے راشن سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ایک روز حلوہ بنالیا تو خلیفہ نے محسوس کیا اس سے کم مقدار پر گذارہ ہو

© rasailojaraid.com

سکتا ہے چنانچہ اس دن کے بعد سے اتنا راشن کم کر دیا خلیفۂ ثانی نے کس طرح پیوند لگے کپڑے پہنے۔ موٹا جھوٹا کھایا۔ ایک مرتبہ آپ کے آگے سرکہ اور زیتون کھانے میں پیش کیا گیا تو آپ نے سرکہ سے روٹی کھائی اور زیتون کے تیل کو ہاتھ نہیں لگایا اور فرمایا ایک سالن کافی ہے اور سرکہ اچھا سالن ہے ان بزرگوں کی زندگی کا۔ ان کے قول و عمل میں ہم آہنگی کا۔ ان کے ایثار و قربانی کا یہ اثر ہوا کہ صدیوں تک مسلمانوں کو اللہ نے حکمراں بنائے رکھا۔ سارے جہاں میں مسلمانوں کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا گیا اسلامی معاشرے میں مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی مسلسل چین و سکون اور راحت کی زندگی گذاری کیونکہ ان بزرگوں نے ایسا نظام رائج کیا جو اللہ کے قانون کے مطابق تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ امن و سکون، راحت اور چین کی زندگی ہے۔ اگر آج بھی ایسا عادلانہ، منصفانہ، ایثار و قربانی والا اسلامی نظام قائم ہو جائے تو وہی برکات و ثمرات ظاہر ہوں گے۔ وہی خوشحالی، وہی نیک نامی اور عزت و احترام سارے جہاں میں مسلمانوں کا قائم ہو جائے گا اور فردوس گم گشتہ دوبارہ حاصل ہو جائے۔

© rasailojaraid.co

© rasailojaraid.co

ایمان لانے کا

ہماری ذات اور ہماری اولاد پر اثر

© rasailojaraid.com

عموماً لوگ ضرورت سے زیادہ اپنی اولاد کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لئے بہت سے غلط کام کرتے ہیں۔ آپ جس سے بھی بات کریں گے وہ یہی کہے گا کہ میں ساری جدوجہد بیوی بچوں کے لئے کرتا ہوں۔ اپنی جان پر دکھ اٹھاتا ہوں حکمت اور تدبیر سے کماتا ہوں۔ رشوت لیتا ہوں۔ حکومت کا ٹیکس بچاتا ہوں۔ خریداروں کو دھوکا دیتا ہوں۔ مزدور کی مزدوری کم دیتا ہوں۔ خود کم کام کر کے زیادہ مزدوری لیتا ہوں۔ زیادہ منافع کماتا ہوں۔ لیکن اس سے پوچھا جائے کہ تم میں تو اہلیت ہے صلاحیت ہے قابلیت ہے تم اس کے ذریعہ دوسروں سے زیادہ کما لیتے ہو۔ اپنی حکمت عملی اور تدبیر سے اپنے حق سے زیادہ لے جاتے ہو لیکن جب تمہاری کم عقل اولاد کو دوسرے لوگ اسی طرح لوٹ کھسوٹ کر زیادہ منافع کما لے جائیں گے تو کیا تمہارا دل نہیں دکھے گا۔ جو شخص آج سود لے گا اس کی اولاد کو کل سود دینی ہو گی۔ جو شخص آج مہنگا مال بیچے گا اس کی اولاد کو کل مہنگا مال خریدنا پڑے گا۔ جو شخص آج ملاوٹ والا اور گھٹیا مال سپلائی کرے گا اس کی اولاد کو کل ویسا ہی یا اس سے بھی خراب مال ملتا ہو گا۔ یہ ایک روش ہے جو جاری رہے گی۔ کیونکہ تجربہ

© rasailojaraid.com

کی جو بنیاد ڈالی جائے گی نسلاً بعد نسلٍ اسی پر عمارت بنتی رہے گی۔ تو معلوم یہ ہوا کہ ہم اپنی اولاد سے بہتری یا ہمدردی نہیں کر رہے بلکہ ان کے لئے گڑھا کھود رہے ہیں ان کی تخریب اور معاشرے کی تباہی کا بیج بو رہے ہیں۔ اگر آہستہ آہستہ سب لوگ اس نکتے کو سمجھتے جائیں اور معاشرے میں ہمواریاں پیدا کرتے جائیں کوئی کسی کا حق نہ مارے کوئی زائد منافع نہ لے غلط ذریعے اور جھوٹ سے کمائی نہ کرے۔ رشوت نہ لے حق سے زیادہ مزدوری نہ لے کم کام نہ کرے تو پھر ایسا نظام جاری ہو جائے گا کہ جس میں کوئی کسی کی کمزوری نااہلی اور کم قابلیت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھائے گا ایمان لانے کے بعد ذاتی آزمائش کا تو سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اس سے جو نظام اور طریق سامنے آتا ہے۔ اس سے ممکن ہے کہ ہماری اپنی زندگی میں بھی آرام وسکون حاصل ہو ورنہ ہماری آئندہ نسل کے لئے تو ضرور ایک اچھا معاشرہ پیدا ہو جائے گا۔

ایمان ویقین ہی زندگی کی مشین صحیح رُخ پر متحرک رکھتے ہیں یہ یقین انسان کو بہت سے تخریبی کاموں سے روکتا ہے اور بہت سے تعمیری کاموں پر آمادہ کرتا ہے۔ فرض کیجئے کہ آپ کو کئی روز کا فاقہ ہے اسی حالت میں ایک شخص آپ کے سامنے لذیذ کھانا لاکر رکھ دیتا ہے کھانے کی خوشبو سے آپ کے منہ میں پانی آرہا ہے۔ لیکن وہ آپ کو بتاتا ہے کہ باورچی نے اس میں نمک کی بجائے سنکھیا ڈال دیا ہے۔ کیا آپ اسے کھائیں گے۔؟ یقیناً نہیں خواہ آپ بھوک سے کتنے ہی بیتاب اور نڈھال ہو رہے ہیں۔ آپ زہر آلود کھانا کھانے پر ہرگز آمادہ نہ ہوں گے کیونکہ آپکو یقین ہے کہ سنکھیا باعثِ ہلاکت ہے یہی یقین آپ کو زہر کھانے سے روکتا ہے۔ اب یہ کہنے کے بجائے کہ اس غذا میں سنکھیا ملی ہوئی ہے اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ یہ غذا "مال حرام" سے تیار کی گئی ہے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

تو کیا اس وقت بھی ہم اسی طرح ہاتھ کھینچ لیں گے جس طرح زہر کا نام سنکر کھینچ لیا تھا۔ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس پر تو ہمیں پورا یقین ہے کہ سنکھیا مہلک ہوتی ہے۔ لیکن اس پر ہمارا پورا ایمان نہیں ہوتا کہ مال حرام بھی مہلک ہوتا ہے۔ حالانکہ حرام مال فرد اور معاشرے کو اسی طرح ہلاک کرتا ہے جس طرح زہر آلود غذا افراد کو۔ اگرچہ یہ ہلاکت فوری نہیں تدریجی ہوتی ہے۔

عقیدہ یا ایمان خارجی قانون کے بغیر بھی کام کرتا ہے۔ فرض کیجئے ایک نوجوان ہے بدنام، بدمعاش۔ عیاش، بدکردار، ہوس و ہوس کا پرستار، جنسی لذت کا شکار۔ کوئی لڑکی اس کے ہاتھوں اپنی عزت محفوظ نہیں سمجھتی۔ اس لڑکے کی ایک ہمشیرہ ہے نوجوان، خوبصورت، ناکتخدا۔ وہ دونوں ایک کمرے میں رہتے ہیں اور وہیں راتوں کو سوتے بھی ہیں۔ عورت ہونے کے ناتے اس لڑکی اور ان لڑکیوں میں کوئی فرق نہیں جن کے پیچھے یہ مارا مارا پھرتا ہے لیکن راتوں کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں بھی وہ اپنی بہن کی طرف کبھی نگاہ بد سے نہیں دیکھتا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس کے دل میں یہ خیال پختہ عقیدے کی شکل اختیار کر چکا ہے کہ بہن کے ساتھ جنسی تعلقات کسی طرح مناسب نہیں۔ اس لڑکے کے ہاتھوں اس کی بہن کی عصمت ہمیشہ محفوظ رہتی ہے۔

اس کے لئے نہ کسی قانون کی ضرورت ہے نہ کسی سپاہی کی حاجت اس کی یہ اندرونی کیفیت خارجی اسباب کے بغیر ہی اس لڑکی کی عصمت کی حفاظت کرتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اگر کوئی اس کی بہن پر غلط نگاہ ڈالے تو وہ جذبۂ غیرت سے اس کی آنکھ نکال لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس کی عصمت کو

© rasailojaraid.com

خطرے میں دیکھ کر اس کی حفاظت کے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہے یا دوسرے کا خون بھی بہا سکتا ہے۔ پس کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ حقیقی معنی میں ایمان لا کر اپنے نفس میں یہ تغیر پیدا کیا جائے کہ جس طرح ہم اپنی بہن کی حرمت کے قائل ہیں اسی طرح ہر لڑکی کی حرمت ہمارے عقیدہ و عمل میں شامل ہو جائے اور جس طرح ہم سنکھیا کو اپنی جان کے لئے مہلک سمجھتے ہیں اسی طرح یہ بھی سمجھیں کہ حرام کمائی سے تیار کردہ ہر کھانا ایمان میں ضعف پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ معاشرے کو تباہ کر دیتا ہے۔

ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ کیا واقعی ہم خالقِ کائنات کے قانونِ مکافات کو مانتے ہیں؟ اگر مانتے ہیں تو وہ کام کیوں کرتے ہیں جس سے خدا نے واضح طور پر ہمیں روکا ہے۔ ہمیں سنجیدگی سے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس چند روزہ زندگی میں ہم نے کس طرح ملاوٹ، رشوت، چور بازاری، گراں فروشی، ریا، فریب، کذب، ظلم، ناپ تول میں کمی اور ہر قسم کی ذاتی مفاد پرستی کو روزمرہ کا مشغلہ بنا لیا ہے۔ اور ہمیں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ یہ زہریلا بلکہ آتشیں لقمہ نگلنے کا کیا نتیجہ نکل رہا ہے اور اس کے اثرات کتنے بڑھتے جا رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

کیا ایمان کے بغیر بھی طبعی اور معاشرتی قوانین متقررنتائج پیدا کرتے ہیں

© rasailojaraid.com

کائنات کی بناوٹ کچھ ایسی ہے کہ انسان کی تمام مساعی اور کوششیں اگر کائنات میں اللہ کے نافذ کردہ قوانین طبعی کے مطابق ہوں تو ان کے نتائج خود بخود برآمد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کھیتی باڑی صحیح طریقے سے کی جائے یعنی زمین کی جوتائی، بوائی، آبیاری اور کیڑوں سے محفوظ رکھنے کی تدابیر وغیرہ صحیح اصولوں اور مناسب وقت پر ہوں تو غلہ ضرور پیدا ہوتا ہے اور محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔ اس سلسلے میں قوانین طبعی کے مطابق جس قدر محنت کی جائے اتنے ہی اچھے نتائج برآمد ہوں گے یہ عام مشاہدے کی بات ہے، اسی طرح دوسرے کام ہیں۔ سمندروں میں جہاز رانی، جہاز سازی، فضا میں پرواز، زمین اور پہاڑوں سے معدنیات کا حصول، مصنوعات کی تیاری وغیرہ، اگر یہ تمام کام قوانین طبعی کے مطابق سر انجام دیئے جائیں تو ان کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے اور ان تمام امور میں انسان ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس میں عرب و عجم کالے اور گورے مومن غیر مومن کے درمیان کوئی فرق نہیں

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ پر ایمان یا عدم ایمان کا اثر ہمارے اس نوع کے عمل کے نتیجے پر نہیں
پڑتا۔ بلکہ ہر کام کے لئے معین طبعی قوانین کے مطابق اگر کام لیا جائے تو نتیجہ
بھی صحیح ہی برآمد ہوگا۔ اور اگر ان قواعد وضوابط کے مطابق عمل نہ ہو تو فطرت
کا تقاضا یہ ہے کہ مطلوبہ نتائج برآمد نہ ہوں کیونکہ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے
جو قوانینِ طبعی نافذ کئے ہیں ان کے مطابق ہی ہر عمل کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔
اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تمدنی و معاشرتی قانون کے مطابق صحیح عمل اختیار
کر کے ہر وہ قوم ترقی کر لیتی ہے جو استقلال پامردی اور نظم وضبط کے ساتھ
اپنا صحیح عمل جاری رکھتی ہے۔ انگریزوں نے صحیح عمل سچائی اور دیانتداری کیساتھ
اختیار کیا اور قانون وانصاف کی حکومت قائم کی تو صدیوں تک عزت و وقار
اور نیک نامی اور ہردلعزیزی کے ساتھ وسیع خطۂ ارضی پر حکمران رہے۔ مگر
جب ان کے کردار واخلاق میں کمزوریاں پیدا ہو گئیں تو ان سے بہتر کردار کی
حامل قومیں ان پر غالب آگئیں حتیٰ کہ انگریز برصغیر پر سات سمندر پار سے آکر
حکمران بن گئے۔ انہوں نے اگرچہ محکوم قوموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔
لیکن ان میں حکمرانی اور امن قائم رکھنے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ وہ اپنے
قانون کے نفاذ میں بھی مخلص تھے عدل وانصاف کی صلاحیت بھی ان میں
موجود تھی اور انفرادی طور پر وہ بھی بہت سے اچھے اوصاف کے مالک تھے چنانچہ
معاملات کی صفائی انکا شعار تھا۔ وعدہ وفا کرتے تھے۔ لین دین میں راست
روی ان کا قومی شعار تھا۔ محنتی اور جفاکش تھے لہذا انہوں نے خوب دنیا کمائی
اور دونوں ہاتھ سے دولت بٹوری اور اب جرمنی اور جاپان کا بھی یہی حال
ہے کہ سارے عالم کی منڈیوں پر چھا گئے ہیں۔ محنتی جفاکش اور راست باز ہیں،
اچھا مال بناتے ہیں اور وقت پر صحیح مال بھیجتے ہیں۔ لہذا ایک جہان انکی مصنوعات

© rasailojaraid.com

خریدتا ہے اور دنیا بھر کے بازار ان کی مصنوعات سے اٹے پڑے ہیں تجارت سے مال دولت کے ساتھ ساتھ نیک نامی اور عزت بھی حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے کردار کی تعریف ہو رہی ہے۔ چین نے زندگی کے معاشی پہلو کو اپنی اصلاح کا مرکز بنایا۔ قوم میں مساوات کی روح پھونک دی حکمران اور رعیت کے درمیان معاشی فرق و تفاوت کو کم از کم کر دیا ہے۔ سادہ زندگی ان کی قومی خصوصیت بن گئی۔ چوری اور رشوت ستانی کی لعنت سے معاشرے کو پاک کر دیا۔ بدعہدی بدمعاملگی سے قوم کو نفرت ہو گئی۔ محنت دیانت اور اصول پروری ان کا قومی شعار بن گیا۔ انہوں نے بدکاری اور دوسری اخلاقی برائیوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ آبروئیں محفوظ ہیں اور مال و متاع ضائع ہونے کا خطرہ نہیں مثالی معاشرہ قائم کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حال ہی میں ویت نام نے دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور مملکت یعنی امریکہ کو جس کے پاس اسلحہ کے انبار اور دولت کی بہتات تھی اپنے ملک سے واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کے عہدیدار وزیر افسر سپاہی اور عوام سب کا رہن سہن یکساں تھا اونچ نیچ کا فرق انہوں نے مٹا دیا تھا۔ پوری قوم کے اخلاص عمل اور متحدہ جدوجہد وہ اسباب تھے جن کی بدولت وہ کامیاب ہوئے ان کی یہ کامیابی کائنات کے طبعی قانون کے عین مطابق تھی۔ ان کی انتھک اور مسلسل جدوجہد کی بدولت انہیں اجنبی قوم کی غلامی سے نجات ملی یہ ان کی پیہم اور مسلسل کوششوں کا طبعی نتیجہ تھا۔ کیونکہ طبعی اسباب کے نتائج بھی طبعی ہوتے ہیں۔

لیکن چونکہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال نہیں تھے۔ لہذا ان میں یہ کمی بہرحال باقی رہ گئی کہ تمام اچھائیاں اور سب ترقی ان کے اپنے ممالک تک محدود رہیں دوسرے ملکوں کو ان سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا۔ انہوں نے سر اٹھا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کام صرف اپنی قوم اور اپنے ملک تک محدود رکھا دوسری قوموں کے ساتھ وہی اجتماعی اور سیاسی دھوکا فریب اور جھوٹ باقی رکھا۔ کمبوچیا کے ساتھ اسی ویت نام نے آگے چل کر جو کچھ کیا وہ ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ اس نے معاشی و معاشرتی قوانین کا جو معیار اپنی قوم کے لئے قائم کیا تھا، وہ کمبوچیا کے حق میں قائم نہ رکھ سکے۔ صرف اپنی قوم کے لوگوں تک ہر ملک ایمانداری برتتا رہا۔ تاکہ وہ اپنے ملک میں امن سے رہ سکیں۔ تجارت میں دوسرے ملکوں کے ساتھ صحیح معاملہ رکھا تاکہ خوب دولت کما سکیں لیکن دوسری قوموں کے ساتھ معاملات میں عدل و انصاف کا معیار قائم نہ رکھ سکے۔ ایمانداری کو کسی ملک نے بھی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں ملحوظ نہیں رکھا۔

خالق کائنات پر ایمان ہی سے انسان کے قلب میں وہ کامل اور پائدار تبدیلی پیدا ہوتی ہے جو زندگی کے قالب کو یکسر بدل دیتی ہے انسان دوسروں کیلئے بھی بھلائی اور خیر خواہی، رواداری اور محبت میں روحانی خوشی محسوس کرتا ہے ایمان ہی دنیا میں امن، چین کی جنتِ ارضی قائم کرتا ہے ایمان کی بدولت ہی وہ عالمگیر تعلق قائم ہوتا ہے جو ساری دنیا کے انسانوں کو ایک رشتہ میں پرو دیتا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ خدا کی بتائی ہوئی باتوں پر آدمی جتنا عمل کرے گا اس کو اتنا ہی اچھا نتیجہ ملتا چلا جائے گا۔ یہ صحیح معاملہ کرے گا اور دیانتداری برتے گا تو اس کا اعتبار قائم ہوگا۔ دنیاوی مال و دولت حاصل کرے گا جس قدر تحقیق جستجو میں آگے بڑھے گا اسی قدر سربستہ رازوں کے پردے اٹھتے چلے جائیں گے حالانکہ [illegible] تک پہنچ جائے گا لیکن اس کا پورا پھل [illegible] مکمل مسرت ہی حاصل ہوگا۔ جب وہ یہی کام ایمان کے ساتھ کرے گا۔ ایمان سے اُسے خود بھی فائدہ حاصل ہوگا اور اس کی قوم اور ملک کو بھی بلکہ اس سے ساری نوع انسانی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

مستفید ہو گی اور ایمان کے بغیر یہ ساری ترقیاں عارضی اور مخصوص حلقے میں محدود رہیں گی، عالمگیر اور مکمل چین اور سکون پائیدار خوشی اور دائمی امن صرف ایمان لانے ہی سے حاصل ہو گا - یہ ہے وہ لوگ جو نہ صحیح ایمان لائیں اور نہ ہی صحیح عمل کریں تو ان کو کچھ بھی نہیں ملے گا - اور غالباً ہم اسی سطح پر ہیں کہ نہ تو ہمارا ایمان ہی کامل ہے نہ عمل ہی صحیح ہے - ایمان کے بغیر دائمی امن اور مستقل اطمینان حاصل نہیں ہوتا - جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ ایک عرصہ کے لئے ہوتا ہے - کیونکہ ایمان کے بغیر جو قوم بھی کچھ کرتی ہے، وہ صرف اپنے دنیوی مفاد کے لئے کرتی ہے - پوری نوع انسانی کی فلاح و بہبود سے اسے کوئی غرض نہیں ہوتی - دوسری قوموں کے ساتھ ان کی ظاہری عنایات بھی محض استحصال کے لئے ہوتی ہیں، جس کا لازمی نتیجہ بین الاقوامی سطح پر تصادم و مزاحمت ہوتا ہے - وہ قدم قدم پر دوسروں کے مفادات کو قربان کر کے اپنی قوم کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں - دوسری قومیں اس استحصال کو برداشت نہیں کرتیں - نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ترقی اور خوشحالی کچھ قومیں اس طرح حاصل کرتی بھی ہیں، وہ کچھ عرصے کے بعد باہمی تصادم و تزاحم کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ جاتا ہے -

اوپر یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے قوانین طبعی اور ان کے نتائج میں تغیر و تبدل کا گزر تک نہیں - جس طرح ہمیں یہ یقین ہے کہ سنکھیا ملا کھانا مہلک ہے اسی طرح ہمیں اس امر پر بھی پختہ ایمان اور کامل یقین رکھنا چاہیئے کہ حرام کمائی کا لقمہ بھی ایمان کے لئے زہر قاتل ہے - اور پورے معاشرے اور انسانیت کے لئے مہلک ہے - حرام کی کمائی کے اثرات آج ہماری نگاہوں کے سامنے عیاں ہو چکے ہیں کہ انسانیت مفقود ہو چکی ہے - انس و محبت نام کی کوئی چیز موجود نہیں - اندرون ملک بھی ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچی جا رہی ہیں اور بیرون ملک بھی یہی حالت ہے - قومی ترقی میں ذاتی مفاد پرستی سدِ راہ بنی ہوئی ہے -

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

آخری عرض

اس مقالے کی غرض و غایت اور مقصدِ اشاعت یہی ہے کہ ایمان کی محرکات ایمان کی صحیح تعارف سے واقف ہو کر پہلے صحیح انسان اور پھر حقیقی مسلمان بنیے۔ اس کا پختہ یقین ہو کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔ دھوکا نہیں دیتا۔ کسی کا حق نہیں مارتا۔ معاملات کا سچا لین دین کا کھرا۔ قول کا سچا اور وعدے کا پکا ہوتا ہے۔ کمائی میں سچائی اور دیانت کو مقدم رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچانا اس کا مخصوص امتیازی نشان ہے۔ اور یہی وہ ایثار ہے جس کی قرآن میں تعریف وارد ہوئی ہے۔

اس مضمون کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ آپ کسی تذبذب یا پریشانی کا شکار ہو جائیں بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ اس غلط تصور سے باہر نکل آئیں کہ آپ کا موجودہ طریقِ زندگی اسلام کے عین مطابق ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا جو راستہ اور طریقہ ہمارے لئے تجویز فرمایا تھا ہم اس راہ پر نہیں چل رہے اندریں حالات اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ چند اصحابِ فکر و عمل اُٹھ کھڑے ہوں جن کے دلوں میں ایمان کی روشنی پوری طرح جلوہ گر ہو۔ وہ اسلام کی روشنی پھیلانے کا عزم کر لیں خواہ ان کو اس راہ میں جان مال اور اولاد کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے پھر آہستہ آہستہ ایسے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہونا جائے گا تاآنکہ ایسا معاشرہ تشکیل پا جائے جس میں صحیح طریق پر زندگی گذارنا آسان ہو جائے اور غلط عمل کرنے والوں کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں۔

اسلام پر عمل کے لئے تین مدارج ہیں جو لازمی و لابدی ہیں۔ اوّل ایمان۔ دوم کبائر سے اجتناب۔ سوم شعائر دین پر عمل۔ ہو یہ رہا ہے کہ ہم نے پہلی دو سیڑھیوں کو تو طے کیا نہیں اور تیسری سیڑھی پر چڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں جو سعی لاحاصل ہے، ہمیں درجہ بہ درجہ اور زینہ بہ زینہ چڑھنا ہوگا۔ ورنہ آج ہم اپنے غلط اعمال کے نتائج کی لپیٹ میں آگئے ہیں یعنی ہر فرد اپنے ہی دفاع ہی میں لگا ہوا ہے کہ کوئی اسے کھا نہ جائے اور وہ خود اس داؤ میں ہے کہ دوسرے کو نگل جائے۔ یہ تکلیف دہ ذہنی عذاب ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوتے ہے اور سب پر دائمی خوف مسلط ہے۔

کبائر میں جہاں دوسرے بے شمار اعمال آتے ہیں وہاں مصلحت یا مفاد کے تحت جھوٹ کا استعمال یا کسی چیز کی اصلیت کو اپنے فائدے کے پیش نظر چھپانا بھی کبائر میں شامل ہے۔ ہماری زندگی میں یہ چیز اس کثرت سے رائج ہے کہ ہم اس کو کبائر میں شمار ہی نہیں کرتے حالانکہ یہ بہت سی برائیوں کی جڑ ہے آپ دیکھیں حج جیسے نیک فریضہ کی ادائیگی میں بھی ہم اس برائی سے نہیں بچتے۔ ہم ناجائز طریقے سے کرنسی حاصل کرتے ہیں۔ حج سے واپس آتے ہیں تو ہمارا سامان چیک ہوتا ہے کہ کوئی ممنوعہ یا تجارتی چیز تو ساتھ نہیں لائے۔ ہمارے لئے یہ تکلیف اس لئے ہے کہ ہم نے اصلیت کو چھپانے کا سہل طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ ہم نے اپنے صحیح عمل سے معاشرے کو ایسا نہیں بنایا کہ ہمیں کرنسی بھی پوری ملے تاکہ حج کے دوران محتاجی نہ ہو اور واپسی میں ہمارا سامان

© rasailojaraid.com

بھی چیک نہ ہو یعنی چیک کرنے والوں کو یقین ہو کہ ہم غلط سامان ساتھ نہیں لائیں گے اگر ہم میں جرأت ہو اور ہمارا عمل بھی صحیح ہو تو ہم ایسا ماحول پیدا کر سکتے ہیں کہ ہم کو اخفاء سے کام نہ لینا پڑے یہ معاملہ صرف کسٹم کا نہیں ایسے بہت سے دوسرے مواقع ہم کو روزمرہ پیش آتے ہیں۔ مثلاً حکومت کے محاصل کی ادائیگی میں بچت کے لئے ہم نے اخفاء کا آسان طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ حالانکہ ہم صحیح ادائیگی کے پیہم عمل سے محاصل لگانے والوں کو آمادہ کر سکتے ہیں کہ وہ کم از کم شرح پر محصول لگائیں۔ لیکن اس کے لئے ہم کو پہلے قربانی دینی پڑے گی۔ جو اسلام کی راہ پر چلنے کے لئے لازمی ہے بلکہ ہم کو تو اس کے لئے بھی خوشی سے تیار رہنا چاہیئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ محاصل دیں اور عمال کو مجبور کریں کہ وہ ان محاصل کو عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں۔ عمال اپنا طرز زندگی سادہ رکھیں۔ کیونکہ اسلامی معاشرے میں یہ لازم ہے کہ عمال وہی زندگی گذاریں جو معاشرے کا ادنیٰ آدمی گذارتا ہو۔ ہم جب خود اخفاء سے کام لیتے ہیں تو عمال پر کس طرح زور ڈال سکتے ہیں کہ وہ شرحِ محصول کم رکھیں یا زیادہ محصول وصول کریں تو اس کو صحیح طور پر خرچ کریں۔

اس مقالے کے اوّلین مخاطب چونکہ پاکستان کے مسلمان ہیں اس لئے ان خرابیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ہمارے ملک میں عام طور پر رائج ہیں اور ہم ان کو ہوشیاری اور قابلیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ برائی نہیں سمجھتے افراط و تفریط کا یہ حال ہے کہ اگر محاصل کی ادائیگی میں خواہ وہ کسٹم ہو، اکسائز ہو، ٹیکسز ہوں ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ کم از کم ادا کریں یا بالکل ہی نہ دیں اور اصلیت کو چھپانے کے لئے ہم ہر طریق کار اختیار کرتے ہیں۔ دوسری طرف جب ہم کو حکومت سے مانگنا ہوتا ہے خواہ وہ لائسنس ہو، کوٹہ ہو، راشن ہو، قیمتوں

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کا تعین ہو، زر مبادلہ کا حصول ہو تو ہم زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ سب کا حصہ خود ہی لے جانا چاہتے ہیں۔ اس میں کتنے دوسرے اشخاص کے حقوق غصب ہوتے ہیں، اس کی ہم بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ زیادہ حصہ حاصل کرنے کے لئے ہم کو کیسے کیسے غلط اور ناجائز طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں اس کا بھی ہمیں کوئی احساس نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ عمّال اور عوام سب میں ایک ہی خرابی ہے اور وہ ہے ایمان کی کمزوری!

آج کل مسلم ممالک میں اسلامی نظام یا شرعی قوانین کے نفاذ پر بہت زور دیا جارہا ہے مگر اس کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پہلے ایمان کا صحیح تصور قائم کیا جائے۔ کبائر سے بچنے کا اہتمام کیا جائے اور پھر شعائر دین پر عمل پیرا ہونے پر زور دیا جائے۔ اسلام کا نفاذ خواہ افراد پر ہو یا پوری سوسائٹی پر، وہ قلوب و اذہان اور فکر و نظر کی تبدیلی کے بغیر مؤثر نہیں ہوسکتا اسلامی نظام اسلامی معاشرے میں قائم ہوتا ہے اور اسلامی معاشرہ اوپر سے نہیں ٹھونسا جاتا۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اور اسلامی معاشرے سے مراد ایسے افراد کا مجموعہ ہوتا ہے جن کی سیرت و کردار اسلامی ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے معاشرے کے افراد کو اسلامی سانچے میں ڈھالا تھا۔ پھر ان ہی کے ہاتھوں اسلامی نظام قائم ہوا۔ آج جو قوم بھی اپنے یہاں اسلامی نظام قائم کرنا چاہے اُسے اسی پروگرام پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ حضورؐ نے اپنی مدتِ رسالت کا نصف سے زیادہ حصہ یعنی تئیس ۲۳ میں سے تیرہ ۱۳ برس افراد کی تربیت میں صرف فرمائے۔ آپؐ نے پہلے وہ افراد تیار کیے جن کے ہاتھوں اسلامی نظام قائم ہوا۔ آپؐ نے ساری توجہ رفقائے کار کی سیرت سازی کی طرف مرکوز رکھی کہ یہی منزل تک پہنچنے کا صحیح طریقہ تھا۔ کسی قوم کی حالت میں اس وقت تک تبدیلی پیدا نہیں کی جاسکتی جب تک

© rasailojaraid.com

اس قوم کے افراد میں قلب و نظر کی تبدیلی نہ آچکی ہو تو دوسرے انسانی نظام خارج سے مسلط کئے جاتے ہیں - اسلامی نظام دِل کی گہرائیوں سے اُبھر کر باہر آتا ہے اور یہ صرف صحیح اور پختہ ایمان ہی کے ذریعہ ہی ممکن ہے - اس کے لئے پہلے ایک مضبوط اقلیت اپنے آپ کو صحیح راہ پر گامزن کرتی ہے - قربانیاں دیتی ہے - پھر پورا معاشرہ اس کے پیچھے چلنے لگتا ہے -

اس مقالے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اور دیگر رائج الوقت مذاہب میں بنیادی فرق کیا ہے ؟ آپ دیکھیں گے کہ تمام مذاہب بلکہ بین الاقوامی دساتیر اور چارٹرز میں اخلاق حسنہ، معاملات کے اصول اور حقوق و فرائض وغیرہ تقریباً یکساں ہیں - کوئی بہت بڑا فرق ان کے مابین موجود نہیں ہے - ہر دستور میں سچ کو اچھا، جھوٹ کو بُرا، رحم کو اچھا اور ظلم کو بُرا بنایا گیا ہے - پھر وہ کونسا امتیاز یا بنیادی فرق ہے، جو اسلام کو دیگر مذاہب یا دنیا کے بہترین دستوروں حتیٰ کہ U N O کے چارٹر سے بھی ممیز اور ممتاز کرتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے دستور کو ثانوی حیثیت دی ہے اور ایمان کو مقدم رکھا ہے - اسلام کا دستور قوموں، ملکوں، پیشوں، رنگوں، زبانوں یا نسلوں کی بنیاد پر نہیں - اسلام کا دستور صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جو پہلے ایمان لائیں کہ اللہ قادر اور صاحبِ اختیار ہے اور اس نے جس عمل کا جو نتیجہ مقرر کیا ہے وہ اُس کو اُسی طرح برآمد کرے گا - اس کے لئے اس کو نہ فوج کی ضرورت ہے نہ پولیس کی نہ چوکی اور پہرے کی ضرورت ہے نہ نگرانی کی - بلکہ اعمال کے نتائج خود بخود مرتب ہوتے چلے جاتے ہیں - گو سطحی نظر میں ایسا دکھائی نہیں دیتا - بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ غلط عمل والا پھل پھول رہا ہے - ہماری آنکھیں اُس کی ترقی سے چکا چوند ہو رہی ہوتی ہیں - لیکن غلط عمل کرنے والے دائمی خوف میں

© rasailojaraid.com

مبتلا رہتے ہیں کہ کب اُن کا ناجائز طریقوں سے جمع شدہ مال قانون کی گرفت میں آجائے یا کوئی اُن کی حکومت ختم کردے۔ یا اُن کے ملک پر قبضہ کرلے۔ یہ ہمیشہ مسلّط رہنے والا خوف ان کے غلط عمل ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

یہ خوف اور اندیشہ آج ملکوں اور قوموں کو بھی ایک دوسرے سے ہے اور افراد کو بھی جو ترقی اور خوشحالی دکھائی دے رہی ہے، اس کے ہر وقت چھن جانے یا دوسروں کے قبضہ میں چلے جانے کا خوف سب پر ہر وقت مسلّط ہے یہ نتیجہ ہے ہمارے بُرے اعمال کا۔ معاشرے میں ایسا سکون و امن کہ ہر ایک کو اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق یا اپنے ملک اور اپنی قوم بلکہ پوری دُنیائے انسانیت کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ کسی کو دوسرے سے خطرہ محسوس نہ ہو، صرف اسی وقت ممکن ہے کہ معاشرے میں زیادہ سے زیادہ افراد اللہ تعالےٰ کی ذات اور مکافاتِ عمل کے اصول پر یقین رکھتے ہوں۔ اسی لئے ہم نے ایمان کے لئے دو چیزوں کو لازمی قرار دیا ہے یعنی اوّلاً اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کی عظمت پر ایمان اور دوسرے یہ یقین کہ ہر عمل کا نتیجہ وہی برآمد ہوگا جو اللہ تعالےٰ کا مقرر کردہ ہے اور ہم کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا ہے۔ یہ دو تصوّرات مل کر ہمارے ایمان کو مکمل کرتے ہیں۔ دوسرے تمام مذاہب اور وسائیر میں یہی بنیادی نکتہ نظر انداز ہو گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ مقررہ طبعی قوانین کی طرح انسانی معاشرے اور تمدّن کی صحت اور درستی کے لئے بھی مکافاتِ عمل کا قانون جاری و ساری ہے۔ کوئی قوت اس کو بدل نہیں سکتی۔ معاشرتی قوانین اور عمل کے نتائج کا اطلاق تمام انسانوں، تمام طبقات، تمام قوموں، ملکوں اور نسلوں کے لئے بھی یکساں ہے اور ہر دور اور وقت کے لئے بھی غیر متبدّل ہے۔ اس میں نہ پہلے کبھی فرق آیا ہے نہ آئندہ کبھی آئے گا۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اسلام نے کسی نئے خدا کا تصوّر پیش نہیں کیا اور نہ کسی نرالے اخلاق کا سبق دیا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اسلام سے پہلے خدا پر ایمان، اصول اخلاق اور عملی زندگی الگ الگ چیزیں تھیں جن کے درمیان کوئی لازمی ربط و تعلّق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے ان تینوں کو ملا کر ایک نظام میں منسلک کر دیا اور ان کے امتزاج سے ایک مکمل تہذیب و تمدّن کا نقشہ محض خیال کی دنیا میں نہیں بلکہ واقعات کی دنیا میں قائم کر کے دکھا دیا۔ اسلام نے سکھایا کہ خدا پر ایمان محض ایک فلسفیانہ حقیقت کے مان لینے کا نام نہیں بلکہ اس ایمان کا مزاج اپنی عین فطرت کے لحاظ سے خاص قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اس اخلاق کا ظہور انسان کی عملی زندگی کے تمام گوشوں میں ہونا چاہیئے ـــــ یہ ہے ایمان اور عمل صالح کا وہ باہمی لزوم جو "وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے الفاظ میں قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر واضح کیا گیا ہے۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ ہم اپنے مفہوم اور ذہن کو سادہ الفاظ اور مختصر مضمون میں آپ تک پہنچا دیں۔ خدا کرے ہم کو اس میں کامیابی ہوئی ہو۔

والسّلام!

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co